TIGHT BINDING BOOK

TOTAL DAMAGE BOOK

The Drinched Book

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222481
UNIVERSAL LIBRARY

گلکدۂ داغ

عزیز یار جنگ عزیز

گل کدۂ داغ

فصیح الملک
حضرت داغ دہلوی

کے

چاروں دیوان کا اِنتخاب

مُرتّبہ

نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن
سنہ ۱۳۶۴م

نواب میرزا خاں ، ناظم یار جنگ ، دبیر الدولہ ، فصیح الملک ،
حضرت داغ دہلوی

تعارف

داغ دہلوی کا نام "نواب میرزا خاں" مشہور ہے لیکن لفظ "خاں" جزو نام نہیں، خطاب ہے' ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کا عطا کردہ۔[۱]

داغ ۱۲؍ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۲۵؍مئی سنہ ۱۸۳۱ء چہارشنبہ کے دن چاندنی چوک دہلی میں پیدا ہوئے باپ کا نام نواب شمس الدین خاں، دادا کا نام نواب احمد حسین خاں جو لوہارو کے رئیس تھے۔ باپ نے اُن کے بچپن ہی میں وفات پائی۔ یہ جس ناز و نعم سے

۱؎ جلوۂ داغ، صفحہ ۱۳۵ ـ انشائے داغ صفحہ ۷ مکتوب ۳ ـ

پل رہے تھے وہ سامان نہیں رہا۔ ماں نے بہادر شاہ کے فرزند فتح الملک ولی عہد بہادر عرف میرزا فخرو سے عقد کر لیا، اور شوکت محل خطاب پایا۔ ماں کے ساتھ داغ بھی قلعہ شاہی میں رہنے لگے جو لال قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔ دہلی میں اگرچہ تحصیل علم کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا تھا علماء و فضلاء درس و تدریس میں مشغول تھے۔ لیکن داغ نے شہزادوں کے ساتھ قلعہ معلیٰ میں علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ شہسواری و فنونِ سپہ گری میں مہارت بہم پہنچائی اور فنِ شعر و سخن میں شاہی استاد خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق دہلوی سے فیض پایا۔

فتح الملک، ولیعہد بہادر نے ۱۸۵۶ء میں انتقال کیا۔ چوبیس برس کی عمر میں داغ سے قلعہ چھوٹا۔ اس واقعہ کے چند مہینے بعد غدر (۱۸۵۷ء) ہوا۔ ہنگامہ غدر فرد ہونے کے بعد داغ رامپور چلے گئے۔ یہاں بھی علم و فن کے

چرچے، شعر و سخن کے جلسے دہلی سے کم نہ تھے۔ نواب کلب علی خان[1] کا دورِ حکومت عہدِ زریں تھا۔ اسیرؔ، منیرؔ اور بحرؔ جیسے نازک خیال، امیرؔ، جلالؔ جیسے ذی کمال علامہ عبدالحق خیرآبادی و مفتی سعد اللہ جیسے علما کا مجمع تھا۔ علمی جلسوں اور مشاعروں میں ان سب کا اجتماع ہونا، داغؔ بھی شریک ہوتے۔ اس اثنار میں لکھنو سے ہم طرحی غزلیات کا ایک گلدستہ "پیام یار" کے نام سے جاری ہوگیا۔ اس کے ذریعے سے ہمعصر شعراء کا طرحی کلام ہر مہینے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچنے لگا۔ اس مقابلہ و مسابقت میں داغ کی شاعری کے جوہر کھلے، اور ایسے چمکے کہ تمام ہندوستان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔ ان ہی خوبیوں نے آخر داغ کو حیدرآباد پہنچا دیا۔

حضرت غفراں مکاں آصف جاہ سادس داغ کی شاعری سے واقف تھے۔ بانتباع فرمان خسروی داغ ۱۳۰۸ء

---

[1] تاریخ ادب اُردو، سکینہ صفحہ ۴۱۲۔

میں حیدر آباد پہنچے۔ باریاب ہوئے، قصیدہ پیش کیا، استادی کا شرف حاصل ہوا۔ جہاں اُستاد، ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ، نصیح الملک کے خطابات پائے۔ روز بروز تقرب بڑھتا گیا۔ لیکن داغؔ نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہیں کی۔ شاعر تھے۔ انہیں مشاغل[1] میں مصروف رہے۔ رشک، حسد اور ناتواں بینی، ایک عام خاصہ ہے۔ شعراء بھی اس سے بری نہیں رہ سکتے۔ لیکن حضرتِ داغ غیور، سنجیدہ خیال اور واقفِ رموزِ آداب تھے۔ شعرائے معاصرین، احباب و معززین اور ارادت مند تلامذہ کے ساتھ ان کا برتاؤ مخلصانہ، مشفقانہ اور بزرگانہ رہا۔ عموماً ہر شخص ان کے اخلاق کا مدّاح اور ان کی شاعری کا گرویدہ تھا۔

داغ نے ذی الحجہ ۲۲ ۱۳ھ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت عمر ۷۶ برس کی تھی۔ عید اضحیٰ کی نماز کے بعد شاہی مکہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھائی گئی۔ حضرت یوسف صاحب شریف صاحب کے

---

[1] انشائے داغ صفحہ ۵۹ مکتوب ۱۸۔

گنبد کے پائین حصۂ صحن میں مزار ہے۔

داغ کی تصانیف میں اُردو کے مطبوعہ چار دیوان ہیں گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، مہتابِ داغ، یادگارِ داغ اور ایک مطبوعہ مثنوی فریادِ داغ ہے۔ اگر چوتھا دیوان یادگار داغ کاش[1] چھپ جاتا تو زباں دانی میں بہت مدد ملتی۔

داغ فطرۃً شاعر تھے اور عشق کا جوہر ازلی تھا۔ ان کے اہم مضامین اور جذبات خود ان کے حالات اور واردات ہیں۔ ان تاثرات کو وہ اس جوش سے بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم طاری ہو جاتا ہے۔ مترادف الفاظ، محاورات اور مصطلحات کی اُن کے کلام میں بہتات ہے۔ اور یہ ان کی قادر الکلامی اور فصیح البیانی کی بڑی دلیل ہے۔ باستثنائے حقائق و معارف وہی جوشِ بیان، مدہوشی، سرمستی اور بدیع الاسلوبی اُن کے کلام میں ہے جو خواجہ حافظ شیرازی کی شاعری کے ممتاز صفات ہیں اگرچہ صاحب شعر الہند کا

---

[1] کتاب "داغ" صفحہ ۹۱

خیال ہے کہ "داغ کے کلام میں صوفیانہ اشعار بھی بکثرت ہیں" ممکن ہے، یہ خیال صحیح ہو۔ لیکن میں اس دریا کا شناور نہیں ہوں۔

آئیے! اب گل کدۂ داغ کی سیر کریں۔ اس میں چار ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔ دیکھیں! داغ نے کیا کہا، کیسا کہا، کتنا کہا۔

آخر میں مَیں برخوردار محمد آصف الدین خاں خلف ڈاکٹر محمد نظام الدین صدر شعبۂ فارسی و ناظم سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ کی محنت کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ انھوں نے منتشر مسودات کی فراہمی اور منتخب اشعار کی ردیف وار ترتیب میں خاص دلچسپی لی ورنہ اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی۔

عزیز منزل
کنگ کوٹھی روڈ

عزیز یار جنگ
رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یارب ہے بخش دینا بندے کو کام تیرا — محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا

ہے تو ہی دینے والا پستی سے دے بلندی — اسفل مقام میرا اعلیٰ مقام تیرا

محروم کیوں ہوں ہم جی بھر کے کیوں نہ لوٹیں — دیتا ہے رزق سب کو ہے فیض عام تیرا

ایمان کی کہینگے ایمان ہے ہمارا — احمد رسول تیرا مصحف کلام تیرا

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا — گویا جواب ہے یہ ترے کبر و ناز کا

عالم تمام چشمِ حقیقت نگر بنا — منہ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ ساز کا

ہر چند راہِ کعبہ و بت خانہ ایک ہے — اے راہ رو ہے کام یہاں امتیاز کا

دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم — کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

کونین جس کے ناز سے چکرا رہا ہے داغ

میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

ان آنکھوں نے کیا کیا تماشا نہ دیکھا ‏ ‏ حقیقت میں جو دیکھنا تھا نہ دیکھا
وہ کب دیکھ سکتا ہے اس کی تجلّی ‏ ‏ جس انسان نے اپنا جلوا نہ دیکھا
ان آنکھوں کے قربان جاؤں جنھوں نے ‏ ‏ ہزاروں حجابوں میں پردا نہ دیکھا
اسے دیکھ کر اور کو پھر جو دیکھے ‏ ‏ کوئی دیکھنے والا ایسا نہ دیکھا
نہ ہمت نہ قسمت نہ دل ہے نہ آنکھیں ‏ ‏ نہ ڈھونڈا نہ پایا نہ سمجھا نہ دیکھا
کہاں نقش اول کہاں نقش ثانی ‏ ‏ خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا
تری یاد ہے یا ہے تیرا تصوّر؟ ‏ ‏ کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہ دیکھا

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا ‏ ‏ یا نبی خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا
اے شہنشاہِ رسل فخرِ رسل ختمِ رسل ‏ ‏ خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا خوب ہوا
حشر میں امتِ عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا ‏ ‏ بخشوانا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا

طور کیوں خاک ہوا نور نرا نار نہ تھا
ناز تھا حضرتِ موسیٰ سے وہ دیدار نہ تھا
ایک ہی جلوہ دکھا کر مجھے دھوکے میں نہ ڈال

دل کہے یار ہی تھا میں یہ کہوں یار نہ تھا
بات کیا چاہیے جب مفت کی حجت ٹھہری
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا
دل ہوا خاک تو اکسیر کسی نے جانا
تھا یہ جب مال تو کوئی بھی خریدار نہ تھا
غم جاوید کی لذّت مرے دل سے پوچھو
مل گیا وہ مجھے میں جس کے سزاوار نہ تھا

دل کا کوئی حامی دم بسمل نہیں ہوتا
کم بخت کلیجا بھی تو شامل نہیں ہوتا
چلنے کا رہِ دوست میں ساماں نہیں بنتا
پہنچیں تو ٹھکانا سر منزل نہیں ہوتا
یہ داد ملی ان سے مجھے کاوشِ دل کی
جس کام کی عادت ہو وہ مشکل نہیں ہوتا
مرنے ہی پہ جب آئے تو کیوں ڈوب کے مرئے

کیا خاک میں مل جانے کو ساحل نہیں ہوتا
مَیں اور شبِ تیرہ و صحرائے خطرناک
رہبر کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا

زمیں سے قدم عرش پر لے گیا فرشتوں سے بازی بشر لے گیا
دیا دوست کو بزمِ دشمن میں خط غضب نوک کی نامہ بر لے گیا
چھپایا بہت ہم نے پہلو میں دل کوئی لینے والا مگر لے گیا
یہ کیا ایسی وحشت ہوئی داغؔ کو اُٹھا کر کہاں گھر کا گھر لے گیا

گر میرے بُتِ ہوش رُبا کو نہیں دیکھا
اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا
سمجھا ہے شبِ ہجر عدو کو وہ قیامت
ظالم نے ابھی روزِ جزا کو نہیں دیکھا
اغیار کے طعنے تو بہت تم نے سُنے ہیں
مظلوم کی تاثیرِ دُعا کو نہیں دیکھا

جس شکل سے ہنستے ہیں مرے حال پہ احباب
روتے ہوئے یوں اہلِ عزا کو نہیں دیکھا

اِس بزم میں شریک تو جایا نہ جائے گا
میں جاؤں گا مگر مرا سایا نہ جائے گا
دل کیا ملاؤگے کہ ہمیں ہو گیا یقیں!
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا
فتنہ نہیں رہوں جس کو اٹھایا کرے فلک
مجھ سے گرے ہوئے کو اٹھایا نہ جائے گا
جو دل دکھا رہا ہے مزا ہر گھڑی مجھے!
آنکھوں سے سو برس بھی دکھایا نہ جائے گا
اے حشر امتیاز! کہ ہم ہیں شہیدِ ناز!
مُردوں کی طرح ہم کو اٹھایا نہ جائے گا

صبر لے زاہد نافہم نہ مے خواروں کا

بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہگاروں کا

سرِ شوریدہ کو تسکین وہیں ہوتی ہے
مجھ پر احسان ہے اس کوچے کی دیواروں کا

ڈر گئے نامِ شفا سُن کے زہے خواہشِ مرگ
منھ ذرا سا نکل آیا ترے بیماروں کا

عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا
ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا

کھوئے دیتا ہی مجھے دُنیا سے وہ
جس کو میں نے ڈھونڈ کر پیدا کیا

آسماں تو آسماں ہی رہ گیا
نام تو نے فتنہ گر پیدا کیا

مدعا یہ تھا کہ ہم دیکھیں تجھے
ورنہ کیوں نورِ نظر پیدا کیا

شرم ہے پیدا کیے کی اُس کے ہاتھ
جس نے مجھ کو بے ہنر پیدا کیا

دونوں جہاں میں بوئے محمدؐ ہی عطر بیز!
کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا

یہ داغ ہے صحابۂ عظام کا مطیع
یہ داغ جاں نثار ہے آلِ رسول کا

تقلید سے زاہد کی حاصل ہمیں کیا ہوتا
انساں نہ ملک بنتا بندہ نہ خدا ہوتا

دل نے مجھے تڑپایا آنکھوں نے کیا رسوا
اپنوں سے ہوا یہ کچھ بیگانوں سے کیا ہوتا

ہر درد کی اے قاتل لذت مجھے جب ملتی؟
سر، شانہ، گلا، سینہ، تھم تھم کے جدا ہوتا

عاشق کا ذرا سا دل تسکین ہی کیا اس کی
جھوٹا ہو کہ سچا ہو وعدہ تو کیا ہوتا

ہم جان کے نامنصف ہیں داد طلب تجھ سے
وہ فیصلہ ہی کیا تھا جو روزِ جزا ہوتا

ساقی تری محفل میں چرچا ہی نہیں مے کا
اس سے تو یہ بہتر تھا کچھ ذکر خدا ہوتا

ناصح بھی خوشامد سے میری ہی سی کہتا ہے
نادان نہ تھا کیوں وہ سمجھا کے بُرا ہوتا

فریاد و فغاں سے تم اے داغ بُرے ٹھہرے

کچھ بھی نہ کیا ہوتا کچھ بھی نہ ہوا ہوتا

دل میں طاقت ہو تو سب کچھ ہو سکے　　عرش تک جاتی نہیں فریاد کیا
فصل گل میں کیوں ہی بلبل نغمہ سنج　　آپ اپنے منہ مبارکباد کیا
باعث گریہ نہ پوچھ اے ہم نشین　　کیا کہوں میں آگیا تھا یاد کیا

روتے روتے چشم تر کو دل کا ماتم ہو گیا
روز کا مہمان اپنے گھر محترم ہو گیا
ہے نسیم صبح کیا کیا عطر افشاں مشک بیز
رات کس کا طرۂ طرار برہم ہو گیا
بن گئی فرقت میں جو کچھ اپنے جی پر بن گئی
ہو گیا جو کچھ ہمارے دل کا عالم ہو گیا
عشق کیا شے ہے، یہ وہ شے ہے کہ دیں شوق وصل
خون بن کر آگیا غم بن گیا سم ہو گیا

کہاں کہاں دلِ مشتاق دید نے یہ کہا!
وہ چمکی برق تجلّی وہ کوہِ طور آیا

تری گلی میں رہی بازگشت مثلِ نفس!
کہ جتنی دُور گیا واپس اُتنی دُور آیا

خدا نے بخشدیے حشر میں بہت عاشق
خیالِ یار میں کوئی نہ بے قصور آیا

وہیں سے داغ سیہ بخت کو ملی ظلمت
جہاں سے حضرتِ موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

معشوق کو اگر دلِ بے مدعا دیا
پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا

بے مانگے دردِ عشق و غمِ جاں گزا دیا
سب کچھ ہمارے پاس ہی اللہ کا دیا

تا حشر منکرین قیامت نہ مانتے
تجھ کو بنا کے اس کا نمونہ دکھا دیا

دُنیا میں اک یہی ہی زیارت گہہ جنوں
خانہ خرابیوں نے مرا گھر بنا دیا

ملتا ہے بختِ دل مجھے سرکارِ عشق سے
اچھی جگہ نصیب نے ٹکڑا لگا دیا

دل کو مدت میں کیا تھا خوگر طرزِ ستم
کیا خبر تھی وہ یکایک مہرباں ہو جائیگا
داغ کو ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ تیرے عشق میں
ہائے ایسا شخص یوں بے خانماں ہو جائیگا

کیا ہم نے عذاب شب ہجراں نہیں دیکھا
تم کو نہ یقیں آئے تو ہاں ہاں نہیں دیکھا
کیا ذوق ہے کیا شوق ہے سو مرتبہ دیکھوں
پھر بھی یہ کہوں جلوۂ جاناں نہیں دیکھا
جو دن مجھے تقدیر کی گردش نے دکھایا
تو نے بھی وہ اے گردش دوراں نہیں دیکھا
تم کو مرے مرنے کی یہ حسرت یہ تمنا
اچھوں کو بری بات کا خواہاں نہیں دیکھا
جو دیکھتے ہیں دیکھنے والے ترے انداز
تو نے وہ تماشا ہی مری جاں نہیں دیکھا

ملتا نہیں ہم کو دلِ گم گشتہ ہمارا
تو نے تو کہیں اے غمِ جاناں نہیں دیکھا

کیا پوچھتے ہو کون ہے یہ کس کی ہے شہرت
کیا تم نے کبھی داغ کا دیواں نہیں دیکھا

کہو جب تم کہ ہے بیمار میرا — تو کیونکر دور ہو آزار میرا
برائی میں بھی ہو گا کوئی مطلب — وہ کرتے ذکر کیوں بے کار میرا
پیامِ شوق بھی قاصد ادا ہو — نہ آئے نام بھی زنہار میرا
مجھے کوسیں بلا سے گالیاں دیں — مگر وہ نام لیں ہر بار میرا
مجھے تم جانتے ہو داغ ہوں میں — کہیں جاتا ہے خالی وار میرا

کیا پاس درِ یار دکھائی نہیں دیتا
تقدیر کو اللہ رسائی نہیں دیتا

صیاد کو گر رحم بھی آیا تو کروں کیا
یہ شوقِ اسیری تو رہائی نہیں دیتا

جو معرکۂ عشق میں ہو میرے مقابل
ایسا تو کوئی مجھ کو دکھائی نہیں دیتا
آتا تو نہ ہو وصل کا پیغام اُدھر سے
کچھ آج مزا دردِ جُدائی نہیں دیتا
بخشے گئے محشر میں گنہ گارِ محبّت
زاہد تجھے کیا دن کو دکھائی نہیں دیتا

صبر و قرار و ہوش گئے دل بھی کھو گیا
جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا
کم بخت یہ بھی دے نہ سکا رات بھر کا ساتھ
میں جاگتا رہا شبِ غم بخت سو گیا
آیا تھا کوئی نشۂ صہبا میں ڈوب کر
ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا

لبِ عاشقِ بیمار پہ کھولا نہیں جاتا

دم بند مسیحا کا ہے بولا نہیں جاتا
جب دیکھئے دل کوچۂ قاتل میں ہے موجود
کس روز یہ نادان یہ بھولا نہیں جاتا
مقدار میں ہے کوہِ گراں بارِ محبت
یہ بوجھ کسی طرح سے تولا نہیں جاتا
تدبیر اگر لاکھ کرے عقدہ کشائی
تقدیر کا عقدہ کبھی کھولا نہیں جاتا
گرتے ہیں جو اے داغ زمیں پر گہرِ اشک
اِن موتیوں کو خاک میں رولا نہیں جاتا

نہ کبھی جیبِ خجالت سے یہاں سر نکلا
قیس دیوانہ تھا جو آپ سے باہر نکلا
ہم تو بے نام و نشاں آپکی اُلفت میں ہوئے
آپ کا نام نکلنا تھا ستمگر نکلا
نام اس کا تو مرے دل میں نہاں تھا ناصح

ہائے کم بخت ترے مُنھ سے یہ کیونکر نکلا

آفرین داغؔ تجھے خوب نباہی تو نے

مرحبا کوچۂ دلدار سے مر کر نکلا

نہ جانا جان کا ایسا کسی نے جلد کھو جانا

تمہارا دو قدم چلنا یہاں پامال ہو جانا

بظاہر ہے دوئی پر اصل میں وحدت ہی وحدت ہے

نہ جانا ایک تو نے ہائے غافل دو کو دو جانا

کریں کیا بات تجھ سے فتنہ گر اک کھیل ہے تجھ کو

اُلجھ پڑنا بگڑنا رنج کرنا غصہ ہو جانا

بہت باغِ جہاں میں سیر کی اے داغؔ کیا کہیے

نہ دیکھا ہم نے جو دیکھا نہ جانا ہم نے جو جانا

طریق خوب ہے یہ عمر کے بڑھانے کا

کہ منتظر رہوں تا حشر اس کے آنے کا

وہ عذرِ جرم کو بدتر گناہ سے سمجھے
کوئی محل نہ رہا اب قسم بھی کھانے کا
جفائیں کرتے ہیں تھم تھم کے اس خیال سے وہ
گیا تو پھر یہ نہیں میرے ہاتھ آنے کا
سمائیں اپنی نگاہوں میں ایسے ویسے کیا
رقیب ہی سہی ہو آدمی ٹھکانے کا
خطا معاف تم اے داغؔ اور خواہش وصل
قصور ہے یہ فقط ان کے منہ لگانے کا

عود و مجمر کی طرح جل گئے پروانہ و شمع
ایک تو ہے کہ مجھے تو نے جلایا تنہا
خلوتِ ناز کے تم نے بھی اُڑائے ہیں مزے
ہم نے بھی لطف تصوّر کا اُٹھایا تنہا
کون بیکس کی زمانے میں خبر لیتا ہے
دل نے سینے میں بہت شور مچایا تنہا

راز داروں کو رقیبوں کو خبر کرنی تھی
داغ تم نے تو وہاں رنگ جمایا تھا

دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے
ڈھونڈھنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا
دیکھو دیکھو مجھ پہ برسانے رہو تیر نگاہ
صید جس دم آنکھ سے اوجھل ہوا جاتا رہا
مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال
دشمنی کا لطف شکووں کا مزا جاتا رہا

ایک ہی شکوے میں ساماں عیش کا برہم ہوا
کیا ہنسی میں رنج پھیلا کس خوشی میں غم ہوا
حال میرا دوسرا گویا مزاج یار ہے
یہ سنبھالے سے نہ سنبھلے گا اگر برہم ہوا
ناامیدی تیرے صدقے تو نے دی راحت مجھے

کم ہوا جب ایک ارماں ایک دشمن کم ہوا
بے اثر ہو تو بھی طوفاں ہو نہیں دریا تو ہو
حسرت اس آنسو پہ ہے جو قطرۂ شبنم ہوا
داغ پھر اس آفت جاں سے بڑھائی رسم و راہ
پہلے تھوڑا رنج پایا پہلے تھوڑا غم ہوا

دل نے تری گلی سے نہ اٹھنے دیا مجھے
سو بار قصدِ دیر و حرم ہو کے رہ گیا
اے داغ ہم نہ دیکھ سکے روزِ حشر کچھ
سر خجلتِ گناہ سے خم ہو کے رہ گیا

جلوہ دیکھا تری رعنائی کا کیا کلیجا ہے تماشائی کا
روز دیدار خدا خیر کرے معرکہ ہے تری زیبائی کا
اُن کی شہرت بھی مٹی جاتی ہے کیا ٹھکانا مری رسوائی کا
ضعف نے دل کو تڑپنے نہ دیا ہو گیا نام شکیبائی کا

زاہد مری تقدیر میں وہ دشمن دیں تھا
مجبور ہوں اللہ کو منظور یونہیں تھا

زندہ نہ مسیحا سے ہوا کشتۂ الفت
مردوں کا جلانا تو کچھ اعجاز نہیں تھا

یہ سیر عجب صید گہِ عشق میں دیکھی
ہشیار وہی تھا جو ترے زیر کمیں تھا

اب دل میں ہوا تیری جگہ درد کا مسکن
یہ وہ ہی مکاں ہے کبھی تو جس میں مکیں تھا

اللہ رے تری بے خبری بل بے تغافل
اب بھی تو نہ آیا کہ دم باز پسیں تھا

سب خاک ہوئیں آج میرے دل کی امیدیں
کل تک تو تری ذات سے کیا کیا نہ یقیں تھا

دل میں نہ رکھے آدمی اتنی بھی کدورت
انسان ہی تھا داغ بھی گو خاک نشیں تھا

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا کہتا تھا آج خاک میں کوئی ملا ہوا

اے عشق رخصت اے ہوس آرزو سلام اپنا مقام آج سے دارالبقا ہوا

غضب کیا ترے وعدہ پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

ہم ایسے محوِ نظارہ نہ تھے کہ ہوش آتا
مگر تمھارے تغافل نے ہوشیار کیا

نہ پوچھ دل کی حقیقت مگر یہ کہتے ہیں
وہ بے قرار رہے جس نے بے قرار کیا

کچھ آگے داورِ محشر سے ہے امید مجھے
کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا

فلک سے طور قیامت کے بن نہ پڑتے تھے
اخیر اب مجھے آشوب روزگار کیا

تجھے تو وعدۂ دیدار ہم سے کرنا تھا
یہ کیا کیا کہ جہاں کو امیدوار کیا

بنے گا مہر قیامت بھی ایک خال سیاہ
جو چہرہ داغؔ سیہ رو نے آشکار کیا

اے اہلِ بزم چشمِ مروت کو کیا ہوا
کیوں دیکھتے نہیں مری صورت کو کیا ہوا
بے جستجو ملے گا نہ اے دل سراغِ دوست
تو کچھ تو قصد کر تری ہمت کو کیا ہوا
جانا ہے کوئے یار میں اے دل خلافِ عقل
آتے ہوئے بلا و مصیبت کو کیا ہوا
منظور ذکرِ غیر سے تھا امتحانِ دل
دیکھیں تو آپ اپنی طبیعت کو کیا ہوا

داستانِ عشق جب ٹھہری غلط پھر کہانی کا مزا جاتا رہا
داغؔ ہی کے دم سے تھا لطفِ سخن خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

کلیجا تھام لو گے جب سنو گے ۔۔۔ نہ سنوائے خدا شیون کسی کا
کہا غنچے سے مرجھا کر یہ گل نے ۔۔۔ ہمیشہ کب رہا جوبن کسی کا
وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ ۔۔۔ کسی کی سیر ہے گلشن کسی کا

موت کا مجھ کو نہ کھٹکا شب ہجراں ہوتا
میرے دروازہ پہ گر آپ کا درباں ہوتا
بے نیازی جو ہوئی میری تمنّا سے ہوئی
مجھ کو ارماں جو نہ ہوتا تجھے ارماں ہوتا
کیا غضب ہے کہ نہیں انسان کو انسان کی قدر
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا
خلد میں بند رہے عیش کے ساماں بیکار
لطف جب تھا کہ یہ مجموعہ پریشاں ہوتا

عشق تاثیر جو کرتا تو نہ پنہاں ہوتا
رنج میرا ترے چہرے سے نمایاں ہوتا

مرضِ عشق طبیبوں نے بہت الجھایا
آخرِ کار یہ آزار ہی درماں ہوتا

عشق کچھ کھیل نہیں اے دلِ آرام طلب
سیکھنا تھا تجھے وہ کام جو آساں ہوتا

حشر کے روز تجھے پاسِ عدالت ہوگا
بخش دیتا جو یہیں جرم تو احساں ہوتا

داغؔ کو ہم نے محبت میں بہت سمجھایا
وہ کہا مان نہ لیتا اگر انساں ہوتا

ہو اثر اتنا تو سوزِ نالہ و فریاد کا
ہم تماشا دیکھ لیں گھر پھونک کر صیاد کا

کوہ میں جب شور ہو تو گونج اٹھتا ہے پہاڑ
یہ اثر باقی ہے ابتک ماتمِ فرہاد کا

یہ بہارِ داغؔ ہے گلزارِ ابراہیم کی
ذوق کہتے ہیں جسے ہی فیض اس استاد کا

خارِ حسرت بیان سے نکلا — دل کا کانٹا زبان سے نکلا
کیا مروت ہے ناوکِ دل دوز — پہلے ہرگز نہ جان سے نکلا
کھا گئے تھے وفا کا دھوکا ہم — جھوٹ سچ امتحان سے نکلا
سچ تو یہ ہے معاملہ دل کا — باہر اپنے گمان سے نکلا
سمجھو پتھر کی تم لکیر اُسے — جو ہماری زبان سے نکلا
مر گئے ہم مگر ترا ارمان — دل سے نکلا نہ جان سے نکلا
ذکرِ اہلِ وفا کا جب آیا! — داغؔ ان کی زبان سے نکلا

ارمان بھرے دل کا نہ یوں نام نکلتا
ناکامیٔ جاوید سے بھی کام نکلتا
وہ کاش مرے قتل کو آتے مگر آتے
ارمان تو اے گردشِ ایام نکلتا
فرہاد کو آتی نہ کبھی سینہ خراشی
گر لاکھ برس ہاتھ سے یہ کام نکلتا
معلوم نہ تھا یوں تری باتوں میں ہیں گھاتیں

آغاز ہیں کیا عشق کا انجام نکلتا

کس کے خرام سے یہ اُڑے ہوش نقشِ پا
بیٹھی ہوئی ہے مجلس خاموش نقشِ پا

افتادگانِ خاک کا رتبہ تو دیکھئے
بادِ صبا ہے غاشیہ بردوش نقشِ پا

پائی مرے سراغ سے دشمن نے راہ دوست
اے بے خودی مجھے نہ رہا ہوش نقشِ پا

آسودگانِ خاک کی کہتا وہ سرگذشت
رکھتا نہیں زبان مگر گوش نقشِ پا

یہ داغ کی تو خاک نہیں کوئے یار میں
اک کشتۂ وصال ہے آغوش نقشِ پا

ہوا ہے خون کے چھینٹوں سے پیرہن گلزار
ترے شہید کا لاشہ بہار سے اٹھا

ترس رہے تھے شرابی کہ انگلیاں اُٹھیں
وہ ابرِ رحمت پروردگار سے اُٹھا

نالہ ہر اک بشر کے جگر سے نکل گیا — جی ہی نکل گیا وہ جدھر سے نکل گیا
عالم میں ایک تو نظر آیا نظر فریب — عالم تمام اپنی نظر سے نکل گیا
بل بے گداز عشق کہ پیکانِ دلنشیں — اک اشک بن کے دیدۂ تر سے نکل گیا
کچھ ہو گا مجھ کو نالۂ شبگیر سے حصول — کچھ مدعا دعائے سحر سے نکل گیا
کاہیدگی نے پھینکدیا دور اس قدر — کوسوں میں آپ اپنی نظر سے نکل گیا

وہ رات کون سی گذری جو اضطراب نہ تھا
جب آنکھ دی تھی خدا نے مجھے تو خواب نہ تھا
نگاہِ شوق پر الزام بے قراری کا!
تمہاری برقِ تجلّی کو اضطراب نہ تھا
وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چار طرف
ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

کہا انھوں نے شبِ غم کا ماجرا سن کر
ترے مزاج کی شوخی تھی اضطراب نہ تھا
پیام بر تجھے لاکھوں سوال کرنے تھے
نہ تھا ہزار میں اک بات کا جواب نہ تھا
ہزار پردوں میں مشتاق دیکھ لیتے ہیں
اسے حجاب تھا موسیٰ کو تو حجاب نہ تھا
نہ پوچھ مجھ سے مرے جُرم داورِ محشر
مرے گناہوں کا دُنیا میں بھی حساب نہ تھا

دیکھو تو ذرا چشمِ سخن گو کے اشارے
پھر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
یہ خوب سمجھ لیجئے غمّاز وہی ہے
جو آپ سے کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
دُنیا مجھے کہتی ہے بُرا حاضر و غائب
سمجھو کہ سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خط میں مجھے اول تو سنائی ہیں ہزاروں
آخر میں یہ لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تم کو یہی شایاں ہے کہ تم دیتے ہو دشنام
مجھ کو یہی زیبا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بن آئی ہے جو چاہیں کہیں حضرتِ ناصح
اندیشۂ عقبیٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بلا سے اضطرابِ درد ہی بن کر ٹھہر رہنا
کسی صورت سے تم رہنا مرے دل میں مگر رہنا

ہماری سخت جانی بس نہ ٹھہری کھیل ہی ٹھہری
قسم ہے تم کو گردن پر چھری تم پھیر کر رہنا

گذاری میں نے ساری رات یہ کہہ کر وہ آ بیٹے
ذرا اے چشمِ تر تھمنا ذرا دردِ جگر رہنا

ڈرو اللہ سے اے داغ دیکھو ہوش میں آؤ
بتوں کی یاد میں غافل خدا سے اس قدر رہنا

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہو گیا — میں بُت پرستیوں سے مسلمان ہو گیا
کیا جانے چپ ہوں کیوں تری صورت کو دیکھ کر — آئینہ میں نہیں ہوں کہ حیران ہو گیا
حسرت کسی طرف ہے تمنا کسی طرف — مجموعہ اپنے دل کا پریشان ہو گیا
قاتل نہ روک ہاتھ کہ کٹتی ہے میری جان — خنجر تو اور دم کا نگہبان ہو گیا
اس غنچے میں سمائی ہے وحشت برنگِ بو — دل کتنی تنگیوں پہ بیابان ہو گیا

نہیں آتا ہمیں برباد کرنا — یہ پھر کہنا یہ پھر ارشاد کرنا
مرے صیاد کو اک کھیل ٹھہرا — پھنسا کر دام میں آزاد کرنا
جو آنکھوں میں ہے دل میں ہو وہی نور — الٰہی دونوں گھر آباد کرنا

سکتہ نہ جس کو دیکھ کے ہو وہ جمال کیا
آئینہ کو تو دیکھئے ہے اُس کا حال کیا
تھم تھم کے چلئے تیزئ رفتار ہے بُری
کوئی ہوا کی چال سے ہو پائمال کیا
انسان آرزو ترے ملنے کی کیا کرے

امکاں میں نہ ہو تو نہیں ہی محال کیا

کہنے لگے وہ داغ کی وحشت کو دیکھ کر
دیکھے تو کوئی اس نے بنایا ہی حال کیا

وہ جلوہ تو ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں کو مگر دید کا لپکا نہیں جاتا

کیا جانے کوئی اور وہ کیا ہے وہی جانے
سمجھا نہیں جاتا اُسے جانا نہیں جاتا

ہم جان سے جاتے ہیں محبت میں کسی کی
اپنا ہے ضرر کچھ بھی کسی کا نہیں جاتا

کیا خاک کروں ان سے تغافل کی شکایت
یہ حال ہی ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

میں وضع کا پابند ہوں گر جان بھی جائے
جب کوئی بلانے نہیں آتا نہیں جاتا

نام زیرِ آسماں باقی رہا   مرمٹوں کا یوں نشاں باقی رہا
اس کے در پر جبہہ سا لاکھوں ہوئے   پھر بھی سنگِ آستاں باقی رہا
آنکھ اپنی روزِ محشر کھل چکی   کچھ اگر خوابِ گراں باقی رہا
حال کچھ اے داورِ محشر نہ پوچھ   حال مجھ میں اب کہاں باقی رہا
جا چکا اے داغ سب مال و متاع   شکر ہے لطفِ زباں باقی رہا

میں رازِ دل بیان کروں انجمن میں کیا
تکیہ کلام آپ کا ہے ہر سخن میں کیا
کیوں سخت گفتگو نہیں کرتے رقیب سے
کچھ چوٹ لگتی ہے لبِ پیماں شکن میں کیا
تجھ کو بھی ہے خبر ترے ملنے کے ڈھنگ ہیں
خلوت میں کیا، خیال میں کیا، انجمن میں کیا
میں خلد میں ہوں اور نکیرین قبر میں
خالی کفن پڑا ہے دھرا ہے کفن میں کیا
قاصد کے فیصلے سے مرے ہوش اُڑ گئے

کیا جانے کہدیا اُسے دیوانہ پن میں کیا
سُن سُن کے میری شوخیٔ تقریر یہ کہا!
توبہ ہے یہ زبان رہے گی دہن میں کیا
اے داؔغ قدر دانِ سخن اب وہیں تو ہیں
تعریف اس غزل کی نہ ہوگی دکن میں کیا

شوق ہے اس کو خود نمائی کا اب خدا حافظ اس خدائی کا
اڑ گئے ہوش دام میں پھنس کر قید کیا نام ہے رہائی کا
گرچہ پہنچا ہوں میں کہیں سے کہیں مرحلہ دُور ہے رسائی کا
ہنسی آتی ہے اپنے رونے پر! اور رونا ہے جگ ہنسائی کا
صلح کے بعد وہ مزا نہ رہا! روز ساماں تھا لڑائی کا
کسی بندے کو دردِ عشق نہ دے واسطہ تیری کبریائی کا
نہ رہا لطف اس زمانے میں
میرزا داؔغ میرزائی کا

یہ عشق کب دلِ خانہ خراب سے چھوٹا
بہشت میں بھی نہ میں اس عذاب سے چھوٹا

نگاہِ مست نے سرشار کر دیا مجھ کو
شراب مجھ سے چھٹی میں شراب سے چھوٹا

مجھے ہو قسمتِ برگشتہ کی شکایت کیا
زمانہ کون سے دن انقلاب سے چھوٹا

ہمیشہ ساتھ رہا ہے اس آب و آتش کا
کبھی نہ برق کا دامن سحاب سے چھوٹا

مجھے یہ ضد کہ نہ لکھوں گا اور کوئی خط!
وہ دل میں شاد کہ فکر جواب سے چھوٹا

اشارہ اُس نگاہ کا رُوح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادوگر سے اعجازِ مسیحا ہو نہیں سکتا

یہ جلسے جیتے جی کے ہیں اگر دم ہے تو سب کچھ ہے
کہ بہتر زندگی سے کوئی میلا ہو نہیں سکتا

محبت آدمی کو آدمی سے ہو ہی جاتی ہے
جو کر رکھے تو کیا کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا
عجب حیرت میں ہوں کیونکر بتاؤں میں زمانے کیا
کہ ہو سکتا ہے تجھ سا اور تجھ سا ہو نہیں سکتا

مایوس ہجر میں دلِ ناکام ہو گیا
رخصت ہوا اجل مجھے آرام ہو گیا
رہتا نہیں ہے اپنا مقدر بھی اپنے ساتھ
وہ بھی شریکِ گردشِ ایام ہو گیا
عاشق کے ضعفِ قلب کی کچھ انتہا نہیں
گویا وہ اس زمانے کا اسلام ہو گیا
دنیا میں داغ صاحبِ اعزاز ہو تو ہو
وہ آپ کا تو بندۂ بے دام ہو گیا

اس دل لگی میں حال جو دل کا ہوا ہوا
کیا پوچھتے ہیں آپ تجاہل سے کیا ہوا
عذرِ ستم سے بس مجھے نادم نہ کیجئے
اس تذکرے کو چھوڑیے جو کچھ ہوا ہوا

نہ بدلے آدمی جنت سے بھی بیت الحزن اپنا
کہ اپنا گھر ہے اپنا اور ہے اپنا وطن اپنا
یہ موقع مل گیا اچھا اُسے تیشہ لگانے کا
محبت میں کہاں سر پھوڑتا پھر کو ہکن اپنا
خبر کس کو وہ کس کا تھا وہ کس کا ہے وہ کس کا ہو
سمجھتا ہے اسی کو شیخ اپنا، برہمن اپنا

تجھے نامہ بر قسم ہے یونہیں دن سے رات کرنا
کوئی ایک بات پوچھے تو ہزار بات کرنا
ہمیں گلشنِ جہاں میں یہی کام آخری ہے
اُسی باغباں کو واپس ثمرِ حیات کرنا
وہ کریم کیا نہیں ہے وہ رحیم کیا نہیں ہے
کبھی داغ بھول کر بھی نہ غمِ نجات کرنا

آئینۂ دل نے تماشا کیا اپنی جگہ میں اسے دیکھا کیا

قتلِ جہاں اس کے لیے کھیل تھا کون کہے آپ نے یہ کیا کیا
مر کے ہوئیں زندہ بہت حسرتیں شوق نے اعجازِ مسیحا کیا

آنکھیں ہوں تو وہ جلوہ نہاں ہو نہیں سکتا
پھر عرش بھی پردے کا مکاں ہو نہیں سکتا
رگ رگ میں چھپاتا ہوں ترا دردِ محبت
پھر بھی تو یہ کمبخت نہاں ہو نہیں سکتا
معشوق بدل جاتے ہیں قسمت کی طرح سے
کیا راحتِ جاں آفتِ جاں ہو نہیں سکتا
ہم کہتے ہیں دعوے سے ترا عشق ستمگر
ہاں کر نہیں سکتا کوئی ہاں ہو نہیں سکتا
یا پرسشِ بیداد ہو اے داورِ محشر!
یا کہہ دے کہ انصاف یہاں ہو نہیں سکتا

سرسبز کبھی برگِ خزاں ہو نہیں سکتا

جو پیر ہوا پھر وہ جواں ہو نہیں سکتا

دل مائل و شیدا ہے بس اب اور نہ پوچھو
کس پر ہے کہاں ہے یہ بیاں ہو نہیں سکتا

کیا جانیے کس شے کی محبت میں کمی ہے
پورا اثر آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

افسانہ مرا تم نے سُنا، میں نے سنایا
اک حرف رہا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

دل مانگ کے شرمندہ عبث کرتے ہو مجھ کو
کیا اس کے نہ ہونے کا گماں ہو نہیں سکتا

اے داغؔ تمھیں وصل کی تدبیر بتادی
تقدیر کا ذمہ تو یہاں ہو نہیں سکتا

میرے بختِ سیہ نے کام کیا
صبحِ محشر کو بھی جو شام کیا

سب نے جانا کہ ہم سے کہتا ہے
اس نے جب ایک سے کلام کیا

کسی بے درد کا مقام ہے یہ
درد نے دل میں کیوں مقام کیا

ہوئے ہیں عشق میں عشاق رسوا چار سو کیا کیا
مٹی ہے آبرو والوں کی اس میں آبرو کیا کیا
تپش سے درد سے نالوں سے فرصت ہی نہیں مجھ کو
مزے لیتا ہے دل کیا کیا جگر کیا کیا گلو کیا کیا
کوئی جانے تو کیا جانے کہ یہ ہیں راز کی باتیں
رہی ہے دل ہی دل میں میرے ان کے گفتگو کیا کیا

دل کو محیطِ عشق سے چاہا نکالنا
ہم کو بھی ساتھ ڈوبنے والا ڈبو گیا
کم بخت یہ بھی دے نہ سکا رات بھر کا ساتھ
میں جاگتا رہا شبِ غم بخت سو گیا
آتا تھا کوئی نشۂ صہبا میں ڈوب کر
ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا
اتنا گناہگار ہے افشائے عشق میں
آنسو نکل کے دامنِ مژگاں بھگو گیا

آکر شبِ فراق مری موت ہو گئی
روزِ وصال جا کے گیا وقت ہو گیا
اے داؔغ عشق آفتِ جان ہے ذرا سنبھل
دو دن میں کیا سے کیا یہ ترا حال ہو گیا

ایک ہی رنگ ہے سب سے یہ تماشا کیسا
کوئی کیسا ہے کوئی چاہنے والا کیسا
عرصۂ حشر میں انصاف ہمارا کیسا
دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
وہی جنّت ہے جو وحشت میں کہیں جی بہلے
لوگ صحرا کو لیے پھرتے ہیں صحرا کیسا
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں
لوگ کرتے ہیں بُری بات کا چرچا کیسا
دیکھتے ہو طرفِ سنگِ در آتے جاتے
مجھ کو دیکھو کہ ہوا ناصیہ فرسا کیسا

بخش دے اس بتِ سفاک کو اے داورِ حشر
خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعویٰ کیسا

ڈوبتے ہیں عرقِ شرم میں غیرت والے
ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیسا

جاں نثاروں کو نہ دیکھا یہ بہانہ رکھ کر
جان پر کھیلنے والوں کا تماشا کیسا

ثباتِ بحرِ جہاں میں اپنا فقط مثالِ حباب دیکھا
نہ جوش دیکھا نہ شور دیکھا نہ موج دیکھی نہ آب دیکھا

نظر میں ہے تیری کبریائی سما گئی تیری خود نمائی
اگرچہ دیکھی بہت خدائی مگر نہ تیرا جواب دیکھا

پڑے ہوئے تھے ہزاروں پردے کلیم دیکھوں تو جب بھی غش تھے
ہم اس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں بےحجاب دیکھا

جو تجھ کو پایا تو کچھ نہ پایا یہ خاکداں ہم نے خاک پایا
جو تجھ کو دیکھا تو کچھ نہ دیکھا تمام عالم خراب دیکھا

ستم وہ چشمِ کافر سے نزی چلنا اشاروں کا
غضب وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بیقراروں کا

تمھیں چاہا اگر چاہا خطا الفت پرستوں کی
تمھیں دیکھا اگر دیکھا گنہ امیدواروں کا

کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے کبھی لوٹے کبھی تڑپے
تماشا دید کے قابل ہے تیرے بے قراروں کا

ترا اک وعدۂ دیدار اور وہ بھی قیامت پر
پھر اس پر صبر اتنا ہائے دل امیدواروں کا

سنو افسانۂ فرہاد دیکھو قصۂ مجنوں
غرض کیا تم کو پوچھو حال ہم حسرت کے ماروں کا

ترے خرام سے برپا ہی شور و شر کیسا
اٹھا یہ فتنہ قیامت سے پیشتر کیسا

وہ پا شکستہ ہوں گم کردہ راہ خانہ خراب
کہ دشت بھی نہیں مجھ کو نصیب گھر کیسا

تری تو برش تیغ نظر کا کیا کہنا
ہمیں تو دیکھ کہ رکھتے ہیں ہم جگر کیسا

بفین تھا کہ بس مرگ چین آئے گا
قرار اس دلِ بیتاب کو مگر کیسا

کمالِ عشق ہے اے داغؔ محو ہو جانا مجھے خبر ہی نہیں نفع کیا ضرر کیسا

دل سنبھالا پر نہ سنبھلا پاؤں اٹھا سر گرا
اُن کے آگے آج ہیں اکثر اٹھا اکثر گرا
کیا غضب توڑا نگاہِ خانماں برباد نے
خانۂ دل کیا گرا گویا خدا کا گھر گرا
کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ میرے وار پر
دستِ ساقی سے ادھر شیشہ ادھر ساغر گرا
شوخیاں اس برق وش کی بزم میں دیکھے کوئی
صاعقے کا طور ہے اس پر گرا اس پر گرا
نکلی بسم اللہ اُس کافر کے منہ سے بے دھڑک
آج اِس انداز سے یہ عاشقِ مضطر گرا

راہبر بن کر رہِ الفت میں رہزن بن گیا
دل نے کی یہ دوستی ہم سے کہ دشمن بن گیا

کشت دل میں دیکھ تخمِ عشق کی بالیدگی
ہم تو قائل اس کے ہیں جو دانہ خرمن بن گیا

ہے نزاکت مانعِ جنبش لبِ جاں بخش کو
کام تیرا خوب چشمِ سامری فن بن گیا

شب کو جلتا چھوڑ آئے تھے دل اس کوچے میں ہم
وہ بھی قسمت سے چراغِ راہِ دشمن بن گیا

رہ روانِ معرفت کا واں سیا جاتا ہے مُنھ
جادۂ راہِ حقیقت تارِ سوزن بن گیا

گل کھلایا ہے خزاں میں بھی مرا دستِ جنوں
جب چھلے زخمِ کہن اک تازہ گلشن بن گیا

مستِ مے کل تک تو میخانے میں تھا اور آج داغ
داغِ مے دامن سے دھو کر پاک دامن بن گیا

ضبط کر درِ دِ عشق کو اے دل — اس تری آہ آہ نے مارا
زیرِ خنجر بھی ضبطِ عشق رہا — دم نہ اس بیگناہ نے مارا

مر گئے ہم تو وضع داری میں دوستی کے نباہ نے مارا
خوش ہے کافر بھی اُس کی رحمت پر ہائے اس اشتباہ نے مارا

باقی جہاں میں قیس نہ فرہاد رہ گیا افسانہ عاشقوں کا فقط یاد رہ گیا
چشمِ صنم نے یوں تو بگاڑے ہزار گھر اک کعبہ چند روز کو آباد رہ گیا
محشر میں جائے شکوہ کیا شکر یار کا جو بھولنا تھا مجھ کو وہی یاد رہ گیا
اے داغؔ دل ہی دل میں گھلے ضبطِ عشق سے افسوس شوقِ نالہ و فریاد رہ گیا

بے عشق کے جینا مجھے دوبھر بھی نہ ہوتا
سودا جو نہ ہوتا تو مرا سر بھی نہ ہوتا
کیوں رنج دیے دل کو جو فریاد کا ڈر تھا
تھی آپ کی مرضی تو یہ مضطر بھی نہ ہوتا
عاشق نہ اگر اپنی جبیں رکھتے تو کافر
کعبہ تری دہلیز کا پتھر بھی نہ ہوتا
آتا جو یہاں روزِ جزا اے شبِ ہجراں

بڑھ کر تو کہاں تیرے برابر بھی نہ ہوتا

غارت گرِ ایماں تو ہے اے داغؔ یہ کافر
گر عشق نہ ہوتا کوئی کافر بھی نہ ہوتا

جلوہ اس کا نظر نہیں آتا — نہیں آتا نظر نہیں آتا
ڈھونڈتی ہیں جسے مری آنکھیں — وہ تماشا نظر نہیں آتا
آنکھ کھلتے ہی خوابِ غفلت سے — ہائے کیا کیا نظر نہیں آتا
کس کو رکھوں نظر میں میں اپنی — کوئی آتا نظر نہیں آتا
ہمیں اے داغؔ کور باطن ہیں — ورنہ وہ کیا نظر نہیں آتا

دل مبتلائے لذتِ آزار ہی رہا — مرنا فراقِ یار میں دشوار ہی رہا
دیکھیں ہزار رشکِ مسیحا کی صورتیں — اچھا رہا جو عشق کا بیمار ہی رہا
صدقے میں تم نے چھوڑ دیے ہیں بہت اسیر — میں بھی رہا ہوا کہ گرفتار ہی رہا

احسانِ عفوِ جرم سے وہ شرمسار ہوں
بخشا گیا میں تو بھی گنہ گار ہی رہا

روکنا دل کو کہ شوقِ زلفِ دلبر لے چلا
تھامنا مجھ کو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا

منزلِ مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا شوق اکثر لے چلا

سیکڑوں مہرِ شہادت ہیں مرے داغِ گناہ
بس عدم کو خود بنا کر اپنا محضر لے چلا

آنسوؤں کا قافلہ چلنے لگا نالے کے ساتھ
یہ جرس آواز پر اپنی لگا کر لے چلا

پھر بلایا پھر کہا کچھ پھر اُسے رخصت کیا
نامہ بر جب حسرتوں کا میری دفتر لے چلا

یہ حسیں یہ مہ جبیں یہ شہر ایسی لہر بہر
داغؔ کلکتے سے لاکھوں داغ دل پر لے چلا

لطف فرما جو وہ رہتا تو ٹھکانا ہی نہ تھا
عین حکمت تھی وہ کافر جو دل آزار رہا

نہ ہوا گرمیٔ وحشت سے میں ٹھنڈا نہ ہوا
دُور ہی دُور ترا سایۂ دیوار رہا

منّتوں سے بھی نہ وہ حور شمائل آیا
کس جگہ آنکھ لڑی ہائے کہاں دل آیا
ہم نہ کہتے تھے نہ کر عشق پشیماں ہوگا
جو کیا تو نے وہ آگے ترے اے دل آیا
تا دمِ مرگ نہ ہو وہ مرے دشمن کو نصیب
جو مزہ مجھ کو الٰہی دمِ بسمل آیا

کس کا طرّہ کس کا گیسو کس کی کاکل کس کی زلف
سب بلائیں ہوگئیں جب دل پریشاں ہوگیا
اس سے بہتر کوئی صورت خود نمائی کی نہ تھی
جانتا ہوں جس لیے پردے میں پنہاں ہوگیا
دل ہیں لے دے کر رہا تھا ایک قطرہ خون کا

کچھ نثارِ غم ہوا کچھ صرفِ مژگاں ہوگیا

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

محبت میں کرے کیا کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

یہ مشتاقِ شہادت کس جگہ جائیں کدھر ڈھونڈیں
کہ تیرا کام قاتل جب تجھی سے ہو نہیں سکتا

نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

کیا جو ہم نے ظالم کیا کریگا غیر منھ کیا ہے
کرے تو صبر ایسا آدمی سے ہو نہیں سکتا

مزا جو اضطرابِ شوق سے عاشق کو حاصل ہے
وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا

نہ کہئے گو کہ حالِ دل مگر رنگ آشنا ہم ہیں!

یہ ظاہر آپ کی کیا خامشی سے ہو نہیں سکتا
خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ
ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

جو سر میں زلف کا سودا تھا سب نکال دیا
بلا ہوں میں بھی کہ آئی بلا کو ٹال دیا
یقیں ہے ٹھوکریں کھا کھا کے کچھ سنبھل جائے
کہ اس کی راہ میں ہم نے تو دل کو ڈال دیا
خدا کریم ہے یوں تو مگر ہے اتنا رشک
کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

کی ترکِ مے تو مائل پندار ہو گیا — میں توبہ کرکے اور گنہ گار ہو گیا
وہ فتنہ جس کا حشر پہ اٹھنا ہی منحصر — ہر بار تیری چال سے بیدار ہو گیا
اک حرفِ آرزو پہ وہ مجھ سے خفا ہوئے — اتنی سی بات کہہ کے گنہگار ہو گیا
جس کی بغل میں شب کو وہ ہوں اسکو دیکھیے — جس وقت آنکھ کھل گئی دیدار ہو گیا

تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا
ادھر چمکی ادھر سلگی یہاں پھونکا وہاں پھونکا

ہمارے دل کے ہوتے طور سینا کو جلانا تھا
تری برقِ تجلی نے کسے پھونکا کہاں پھونکا

کہاں صیاد کیسا باغباں کس پر گری بجلی
چمن میں آتش گل نے ہمارا آشیاں پھونکا

بجھے کب عندلیبِ سوختہ دل کی لگی تجھ سے
چراغ گل کو کیا پھونکا جو اے بادِ خزاں پھونکا

سنا جاتا نہیں اے داغ تیرا سوزِ دل ہم سے
تری آتش بیانی نے تو اے آتش بیاں پھونکا

کیا ہو سکے مقابلہ مژگانِ یار کا
دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا

اٹھنا ہی اس کی بزم سے دشوار تھا مجھے
اس پر سنبھالنا دل بے اختیار کا

میں بدگمان اس سے زیادہ خدا کی شان
ہے اعتبار اس کو مرے اعتبار کا

رہتی تھی اس کی یاد وہ راتیں گذر گئیں
اب مجھ کو انتظار ہے اس انتظار کا

اے چشم یار دیکھ تغافل سے باز آ — دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا
غش کھا کے داغؔ یار کے قدموں پہ گر پڑا — بے ہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

رُکے جو کام تو بے داد رس نہیں چلتا — پرائے بس میں ہیں کچھ اپنا بس نہیں چلتا
گزر گئے ہیں جو دن پھر نہ آئیں گے ہرگز — کہ ایک چال فلک ہر برس نہیں چلتا
بہت ہمارے پھڑکنے سے تنگ ہو صیاد — کہ چار دن سے زیادہ قفس نہیں چلتا
مریضِ غم سے چلے پیش کیا طبیبوں کی — بغیر حکمِ الٰہی نفس نہیں چلتا

کتنی فرحت فزا تھی بوئے وفا — اس نے دل کو جلا کے دیکھ لیا
جنسِ دل ہی یہ وہ نہیں سودا — ہر جگہ سے منگا کے دیکھ لیا
کبھی غش میں رہا شبِ وعدہ — کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا
جاؤ بھی کیا کرو گے مہر و وفا — بارہا آزما کے دیکھ لیا
لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے — حالِ دل بھی سنا کے دیکھ لیا
داغؔ نے خوب عاشقی کا مزہ
جل کے دیکھا جلا کے دیکھ لیا

تصویر رُخ یار کو دیکھا اسے دیکھا
خورشید پر انوار کو دیکھا اُسے دیکھا

مشتاق سے کھل جاتے ہیں محبوب کے انداز
جب طالب دیدار کو دیکھا اُسے دیکھا

کیا فتنۂ محشر میں ہے جو اس میں نہیں ہے
ظالم تری رفتار کو دیکھا اُسے دیکھا

آنکھ اپنی لڑی رہتی ہے محفل میں ہر اک سے
بے تاب جو دو چار کو دیکھا اُسے دیکھا

اے داغؔ اُسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں
جس نے مرے اشعار کو دیکھا اُسے دیکھا

ہو کے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا
حسرت اس دل پہ کہ جس دل میں یہ پنہاں ہوگا

اب کہاں لختِ جگر سینے میں اے دیدۂ تر
اور ہوگا تو سر گوشۂ داماں ہوگا

جس قدر آج ستاتا ہے ستا لے مجھ کو
روزِ محشر بھی تو کل اے شبِ ہجراں ہوگا

نہ آیا نامہ بر اب تک گیا تھا کہہ کے اب آیا
الٰہی کیا غضب ٹوٹا خدایا کیا غضب آیا
شروعِ عشق میں گستاخ تھے اب ہیں خوشامد گو
سلیقہ بات کرنے کا نہ جب آیا نہ اب آیا
نوشتہ میرا بے معنی تو دل بے مدعا میرا!
مگر اس عالمِ اسباب میں میں بے سبب آیا
ابھی اپنی جفا کو کھیل ہی سمجھا ہے تو ظالم
کہ جینے پر نہ آیا میرے مرنے پر عجب آیا
غضب ہے جن پہ دل آئے کہیں انجان بن کر وہ
کہاں آیا کدھر آیا یہ کیوں آیا یہ کب آیا

گیا ہے عرشِ معلیٰ پہ شور نالوں کا

خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا
انہیں جو بحث قیامت سے ہے قیامت کی

عجیب حال دگرگوں ہے پائمالوں کا
کہیں نہیں تری درگاہ کے سوا یارب

فلک زدوں کا ٹھکانا خراب حالوں کا
وہ پھول والوں کا میلا وہ سیر یاد ہے داغ

وہ روز جھرنے پہ جمگھٹ پری جمالوں کا

دیکھ لے گا یہ مزہ حشر میں جو جائے گا
آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

روز جمتی ہیں صفیں نامہ بروں کی بے کار
نہیں جمتا وہ مرے ذہن میں جو جائے گا

کہہ گیا ساقیِ سرشار یہ چلتے چلتے
آپ جو رنگ میں ڈوبے گا ڈبو جائے گا

خط کی یوں نقل کہ قاصد کی اتاروں تصویر

یہ بھی گم ہو گا مرا نامہ بھی کھو جائے گا
داغ تم داغِ جدائی کے گلے کرتے ہو
چار چھینٹوں میں وہ چلتے ہوئے دھو جائے گا

آج راہی جہاں سے داغ ہوا　　خانہ عشق بے چراغ ہوا
دل پر خوں مگر ہے جامِ طلسم!　　کبھی خالی نہ یہ ایاغ ہوا
کیا نشان وفا بھی اے ظالم　　دل گم گشتہ کا سُراغ ہوا

اے اہل بزم چشمِ مروّت کو کیا ہوا
کیوں دیکھتے نہیں مری صورت کو کیا ہوا
بے جستجو ملے گا نہ اے دل سراغ دوست
تو کچھ تو قصد کر تری ہمت کو کیا ہوا
منظور ذکر غیر سے تھا امتحان دِل
دیکھیں تو آپ اپنی طبیعت کو کیا ہوا
جاتا ہے کوئے یار میں اے دل خلافِ عقل

آتے ہوئے بلا و مصیبت کو کیا ہوا

کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا
ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا

یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمھیں منصفی سے کہدو تمھیں اعتبار ہوتا

یہ وہ دردِ دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی
اگر ایک بار مٹتا تو ہزار بار ہوتا

ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

غمِ عشق میں مزہ تھا جو اسے سمجھ کے کھاتے
یہ وہ زہر ہے کہ آخر مے خوشگوار ہوتا

گئے ہوش تیرے زاہد جو وہ چشم مست دیکھی

مجھے کیا الٹ نہ دیتی جو نہ بادہ خوار ہوتا
نہ مزہ ہے دشمنی میں نہ ہے لطف دوستی میں
کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا
تمھیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل
یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

وہ رسوائی سے ڈر جائے تو اچھا
برائی کام کر جائے تو اچھا
مبارک خضر کو ہو عمر جاوید
یہ تھوڑی سی گزر جائے تو اچھا
مسیحائی ہوا قاتل کا شیوہ
عدم تک یہ خبر جائے تو اچھا
کہا قاصد کو اس نے دے کے دشنام
سبک ہو کر اگر جائے تو اچھا

گریہ نے ایک دم میں بنا دی یہ گھر کی شکل
میری نظر میں صاف بیابان پھر گیا
لائے تھے کوئے یار سے ہم داغ کو ابھی
لو اس کی موت آئی یہ نادان پھر گیا

بشر نے خاک پایا لعل پایا یا گہر پایا
مزاج اچھا اگر پایا تو سب کچھ اس نے بھر پایا

رہی ہے رات بھر تھم تھم کے رہ رہ کر جھپک دل میں
جگا یا لے کے چٹکی درد نے جب بے خبر پایا

نفس کے آنے جانے پر بشر کی زندگی ٹھہری
یہ پوچھو تو مسافر تو نے کیا لطف سفر پایا

سینے میں اب کہاں وہ جوش وہ بھی تھا اک اُبال سا
بیٹھ گیا کچھ اٹھتے ہی چھوڑ گیا خیال سا

عرض وفا پہ دیکھنا اس کی ادائے دل فریب
دل میں کچھ اعتبار سا آنکھ میں کچھ ملال سا

پوچھتے کیا ہو کون تھا ہو نہ ہو وہ ہی داغ ہو!
در پہ تمھارے تھا مگر کوئی شکستہ حال سا

عاشق مضطر اگر آرام اپنا دیکھتا

عشق کے آغاز میں انجام اپنا دیکھنا
آج کو جمشید ہوتا تو دکھاتے اس کو سیر!
دل ہمارا دیکھ کر کیا جام اپنا دیکھتا
نخوت دولت سے آنکھیں پھٹ گئیں قارون کی
کاش آنکھیں پھاڑ کر انجام اپنا دیکھتا
کیا غرض تھی دیکھتے ہم عشق میں اچھا برا
دیکھتا تو یہ دلِ ناکام اپنا دیکھتا
سخت ناکامی تھی اس کو ورنہ یوں مرتا ہی کیوں
کوہکن بنتا ہوا گر کام اپنا دیکھتا
داغ کو وہ آگ لگتی جس کا بجھنا تھا محال
گر تمھاری بزم میں ہمنام اپنا دیکھتا

چھوڑتا مجھ کو نہ بسمل وہ مگر چھوڑ دیا
سر پہ احسان رہے اس لیے سر چھوڑ دیا
لے گئی تھی ترے دیوانے کو وحشت گھر سے

نہیں معلوم کہ جنگل میں کدھر چھوڑ دیا

داغ وارفتہ طبیعت کا ٹھکانا کیا ہے

خانہ برباد نے مدت ہوئی گھر چھوڑ دیا

غرض کس کو کرے ماتم ہمارا مبارک ہو ہمیں کو غم ہمارا

ترے عالم کو جب سے ہم نے دیکھا تماشائی ہے اک عالم ہمارا

پھر اتنا بھی نہیں اے داغ کوئی غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا

نامۂ عاشق ناشاد نہ دیکھا نہ سنا

آپ نے شکوۂ بیداد نہ دیکھا نہ سنا

اب ترے کوچہ کی بستی کو نظر لگتی ہے

شہر اس طرح کا آباد نہ دیکھا نہ سنا

ہوتے آئے ہیں سلف سے یونہیں عاشق ناکام

اثر نالہ فریاد نہ دیکھا نہ سنا

آپ اپنے کو جو شاگرد کا شاگرد گنے

داغ سا ہم نے تو استاد نہ دیکھا نہ سُنا

پارسا کوئی اگر دیکھنے والا ہوتا
دخترِ زر نے بڑا نام اچھالا ہوتا

کچھ قیامت تو نہ تھی ہجر کی شب اے تقدیر
اس بلا کو کسی تدبیر سے ٹالا ہوتا

ہم سے یوسف کا بیاں ہی نہ کیا واعظ نے
ورنہ ہر بات میں تیرا ہی حوالا ہوتا

دردِ فرقت کی کھٹک وصل میں کیا مٹ جاتی
آہ تھمتی اگر اے داغ تو نالا ہوتا

کیونکر نہ مریں موت پہ بیمارِ محبت
ایسا یہ مزا ہے کہ مکرر نہیں ملتا

یارب مرے اشکوں سے نہ تاثیر جدا ہو
اس قافلہ سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا

زاہد نے اڑا لئے تو صفاتِ ملکوتی
حضرت کا فرشتوں سے ابھی پر نہیں ملتا

حسینوں کی جفا کیسی وفا کیا
جو دل آیا تو پھر اچھا برا کیا

ڈریں کیوں پرسشِ روزِ جزا سے
جو پوچھے ہم کو اس کا پوچھنا کیا

یہ سنوایا فغانِ بے اثر نے
کرے گا اور تو اس کے سوا کیا

کہا ظالم نے سُنکر داغ کا حال
بہت اچھے ہیں ان کا پوچھنا کیا

جینا تو بلائے شبِ ہجراں میں نہ ہوگا
مرنا بھی الٰہی مرے امکاں میں نہ ہوگا

بہلاؤں گا اپنے دلِ ویراں سے طبیعت
یہ دشتِ بلا کیا مرے زنداں میں نہ ہوگا

کیا آئے دمِ نزع بلانے سے جو آئے
محسوب یہ احساں کسی احساں میں نہ ہوگا

اپنے بھی تو بیگانے نظر آئیں گے اے داغ
اپنا تو کوئی حشر کے میداں میں نہ ہوگا

دلِ دشوار طلب لوٹ ہے دشواری پر
لے لیا ہم نے وہی کام جو مشکل دیکھا

کیا سمجھتے نہیں ظاہر کی ملاقات کو ہم
دل تمہارا نہ ملا ہم نے گلے مل دیکھا

منزلِ عشق ہے سنسان مقام اے مجنوں
ناقہ دیکھا نہ یہاں کوئی نہ محمل دیکھا

ناخدا سے کہو بہنے دے ہماری کشتی
ہم نے گرداب جو دیکھا لب ساحل دیکھا
اس نے جب حکم دیا تھا تجھے مرجانا تھا
داغ تو دے نہ سکا جان ترا دل دیکھا

عرش و کرسی پہ کیا خدا ملتا — آگے بڑھتے تو کچھ پتا ملتا
عاشقی سے ملیگا اے زاہد — بندگی سے نہیں خدا ملتا
دوستوں سے تو کچھ نہ نکلا کام — کوئی دشمن ہی کام کا ملتا

اپنے دل کو بھی بناؤں نہ ٹھکانا تیرا
سب نے جانا جو پتا ایک نے جانا تیرا
اپنی آنکھوں میں ابھی کوند گئی بجلی سی
ہم نہ سمجھے کہ یہ آنا ہے کہ جانا تیرا
یہ سمجھ کر تجھے اے موت لگا رکھا ہے
کام آتا ہے برے وقت میں آنا تیرا

داغ ہر ایک زباں پر ہو فسانہ تیرا
وہ دن آتے ہیں وہ آتا ہے زمانہ تیرا

صفتِ حسن کرے کوئی کسی پردے میں
بول اٹھتا ہے مری جان فسانہ تیرا

وعدہ حشر پہ بے ساختہ دل لوٹ گیا
عہد کا عہد بہانے کا بہانہ تیرا

تو نے مارا نہیں عاشق کو مگر یہ تو بتا
نام لیتا ہے مری جان زمانہ تیرا

اس سلیقہ کی عداوت کہیں دیکھی نہ سنی
تو زمانے کا عدو دوست زمانہ تیرا

بوالہوس کو بھی ہوا نقد محبّت پہ غرور
یا الٰہی کوئی لٹتا ہے خزانہ تیرا

قبضہ کرتا ہے ہر اک حور شمائل اپنا
آج ہم وقف کیے دیتے ہیں لو دل اپنا

دین دُنیا سے گئے تم سے گئے جی سے گئے!
آج یوں کوچ ہوا ہے کئی منزل اپنا

باغ میں فصلِ خزاں اور نشیمن ویراں
دام سے چھوٹتے ہی چھوٹ گیا دل اپنا

چیر کر دل کو مرے دیکھ لیا نورِ جمال
آپ نے آپ نکالا ہے مقابل اپنا

قبۂ روضۂ اطہر پہ جبیں فرسا ہو
اس طرح داغ مٹائے مہِ کامل اپنا

اس التفات پر یہ تغافل ستم ہوا
جتنا بڑھا تھا حوصلہ اُتنا ہی کم ہوا

دم ٹوٹتا رہا شبِ وعدہ تمام رات
کیا رشتۂ حیات بھی تیری قسم ہوا

تیری گلی کا ایک یہ ادنیٰ نشان ہے!
پیدا اسی سے جادۂ راہِ عدم ہوا

بت خانہ کا نظارہ بھی گردن کا بوجھ ہے
جب سامنے پڑا سرِ تسلیم خم ہوا
کب شکوۂ عتاب سے بے لطفیاں مٹیں
شرمندگی بڑھی جو وہاں غصہ کم ہوا

یہ میں ہزار جگہ حشر میں پکار آیا
کہ اور بھی کوئی مجھ سا گنہ گار آیا
گزر گئے اسی گردش میں اپنے لیل و نہار
شب فراق گئی روز انتظار آیا
عجب نہیں جو معاصی ہوں وجہ آمرزش
گنہ کیا تو خیال مآل کار آیا
یہ عقدہ عاشق و معشوق کی جلن سے کھلا
سمجھ میں مسئلہ جبر و اختیار آیا
کمالِ عشق کو فرہاد و قیس کب پہنچے!
وہ پختہ کار رہے دل جن کا بار بار آیا

میری وحشت سے جو اس کا دل حیراں اُلٹا
بخیہ گر سینے لگا چاک گریباں اُلٹا

دیکھ کر راہ شب وصل ہمیں کیوں نہ گئے
کر نہ بیٹھیں وہ کہیں شکوۂ ہجراں اُلٹا

خیر سے قتل بھی کرنا نہیں آیا اب تک
حلق پر پھیرتے ہیں خنجر براں اُلٹا

بخت برگشتہ کی تاثیر کہاں جاتی ہے
فال کھولوں تو کھلے ہاتھ میں قرآں اُلٹا

خاک کیا کیا نہ اڑائی ترے دیوانوں نے
دشت پر دشت بیاباں پہ بیاباں اُلٹا

ہو مئے ناب یا شراب طہور
تشنہ ہوں ساغر لبالب کا

کیوں نہ ہو غیر کی دعا مقبول
وہ خدائے کریم ہے سب کا

داغ مے کو نہ دیکھ اے زاہد
دل تو ہے پاک رند مشرب کا

شکر ہے داغ کامیاب ہوا
حق تعالیٰ بھلا کرے سب کا

شکلِ اصلی سے کبھی رنگ تبدل نہ ہوا
غنچۂ گل ہو کے کھلا گل کبھی بلبل نہ ہوا

نہ کہا تھا کہ نہ کرنا کبھی ان سے شکوہ!
تجھ سے اے دل نہ ہوا صبر و تحمل نہ ہوا

باز آیا نہ ستمگر ستمِ پیہم سے!
ختم یہ سلسلۂ دورِ تسلسل نہ ہوا

اہلِ فریاد سے ہے دھوم تری محفل کی
انجمن شہرِ خموشاں ہے اگر غل نہ ہوا

کب گدائے درِ میخانہ کو عار آتی ہے!
اوک سے پی جو میسر قدحِ مُل نہ ہوا

گل سے گلزار ہو دریافت گہر سے معدن
کیا ہوا جزو سے معلوم اگر کُل نہ ہوا

داغ مرتا ہے ادا پر رُخ و گیسو کیسا؟
یہ کبھی شیفتۂ لالۂ و سنبل نہ ہوا

ادھر کی سُدھ بھی ذرا اے پیامبر لینا
خدا کے واسطے جلدی مری خبر لینا
ہمارے سر ہی پڑا اب تو عشق کا سودا
بُرا ہو یہ کہ بھلا ہو ہمیں مگر لینا
عبث نباہ کے وعدے سے تم تو ڈرتے ہو
یہ کون بات ہے اک دن بگاڑ کر لینا

انھیں صفات سے ہوتا ہے آدمی مشہور
جو لطف عام وہ کرتے تو نام کس کا تھا
رہا نہ دل میں وہ بیدرد اور درد رہا
مقیم کون ہوا ہے مقام کس کا تھا
ہمیں تو حضرتِ زاہد کی ضد نے پلوائی
یہاں ارادۂ شرب مدام کس کا تھا
ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا
یہ پوچھے اُن سے کوئی وہ غلام کس کا تھا

امیدوار ہوں کرم بے حساب کا
پیتا ہوں ڈگڈگا کے پیالہ شراب کا

یہ بات ہے بہار چمن ہی کے واسطے
آتا نہیں پلٹ کے زمانہ شباب کا

اس بے قرار دل کا الٰہی علاج کیا
جس کے شکیب پر ہو گماں اضطراب کا

میں اک سوال کر کے پشیمان ہو گیا
پچھا بندھا ہوا ہے ہزاروں جواب کا

بیکار مفت خاک اڑاتی پھری صبا
گوشہ الٹ دیا نہ کسی کی نقاب کا

اے زلفِ یار وجہ بھی کچھ پیچ و تاب کی
اے چشمِ یار کوئی سبب بھی عتاب کا

کاش تو گورِ غریباں پہ نہ مضطر پھرتا
صبر سے ناز سے تمکیں سے ٹھہر کر پھرتا

میرے ہی ہاتھ سے مشکل مری آساں ہوگی
مجھ کو دیجے جو نہیں آپ سے خنجر پھرتا

رہ نما بن کے جو تقدیر مجھے لے جاتی
بیٹھتا رات بھر اس کوچہ میں دن بھر پھرتا

کچھ گرہ میں بھی ہے جو دل کے خریدار بنے
یہ سمجھ لو کہ یہ سودا نہیں لے کر پھرتا

یہ نہ کہیے کہ نہیں اہلِ وفا میں کوئی
نام اک شخص کا ہے میری زبان پر پھرتا

کیا مرے ہاتھ میں کل تھی جو پھراتا اس کو
پند گو دل کسی محبوب سے کیونکر پھرتا

داغ چھٹتی درِ لیلیٰ کی گدائی نہ کبھی
چترِ شاہی بھی اگر قیس کے سر پر پھرتا

غم اس پر آشکار کیا ہم نے کیا کیا
غافل کو ہوشیار کیا ہم نے کیا کیا

اترا رہا ہے نقدِ محبت پہ دل بہت
اوچھے کو مال دار کیا ہم نے کیا کیا

کیا فرض تھا کہ صبر ہی کرتے فراق میں   کیوں جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا

لو محتسب کا مشرب رندانہ کھل گیا
پہلے ہی عہد سے درِمیخانہ کھل گیا
بادِ صبا نے بھی نہ کیا اس کو بے حجاب!
سینے پہ ہاتھ آ گئے جب شانہ کھل گیا
قاتل نے دیکھے اس میں ہزاروں پری جمال
دل چاک کیا ہوا کہ پری خانہ کھل گیا
جلنے لگے ہیں شمع سے گل سے ہیں بد دماغ
کیوں ان پہ عشقِ بلبل پروانہ کھل گیا
اے داغ وقتِ مرگ ہوا امتحاں ہمیں!
اس وقت میں یگانہ و بیگانہ کھل گیا

بھولا مجھے تو بھول گیا اپنا گھر بھی کیا
جنگل میں جا کے کھیت رہا نامہ بر بھی کیا

فرہاد جوئے شیر سے مشہور ہوگیا!
آتا ہے کام وقت پر ادنیٰ ہنر بھی کیا
میری دعا کے ساتھ دعا کی رقیب نے
کل شب کو ہاتھوں ہاتھ لٹا ہی اثر بھی کیا
کیوں داغ کے سوال سے چپ لگ گئی تمہیں
آتا نہیں جواب سمجھ سوچ کر بھی کیا

پردۂ عرفاں نہیں ہے چاک کیا
چشمِ بینا کے لیے ادراک کیا
ہے عجب دردِ محبت میں مزہ!
خاطرِ آزردہ وغمناک کیا
صیقلِ آئینۂ عرفاں بنا!
کون جانے ہے یہ مشتِ خاک کیا
شوق ہو تو منزلِ مقصود پہ
دونوں پہنچیں سست کیا چالاک کیا
موجِ طوفاں خیز و صرصر تند و تیز
کرسکے اس جوش میں تیراک کیا
پائے استقلال ثابت چاہیے
کرسکے گی گردشِ افلاک کیا
غور سے اے داغ دیکھیں منکرین
ہے جنابِ سیدِ لولاک کیا

مقتل میں وہ سفاک جو مصروفِ ستم تھا
آگے صفِ عشاق سے اپنا ہی قدم تھا
کرتے ہو عبث شکوۂ فرقت کی شکایت
وہ شکرِ ملاقاتِ گذشتہ سے تو کم تھا
جل جل کے ہوئے خاک ہوئی خاک بھی برباد
ہستی میں یہ ہستی تھی عدم میں یہ عدم تھا
دل خون ہوا خاک ہوا، خوب ہوا داغ
ہر آن کی تکلیف تھی ہر وقت کا غم تھا

توبہ توبہ سرِ تسلیم جھکایا جاتا
ہم جو سمجھے تھے اگر تجھ میں نہ پایا جاتا
شوق ایسا کہ تری راہ میں مر کر بھی چلوں
ضعف ایسا کہ نہیں جان سے جایا جاتا
اے نزاکت ترے قربان کہ بوقتِ رخصت
وہ کہیں ہم سے تو گھر تک نہیں جایا جاتا
میں گنہ گار نہ ہوتا جو الٰہی مجھ کو
ہر برس نامۂ اعمال دکھایا جاتا
اُٹھ کے کعبے سے نہ جاتا جو صنم خانے کو
اور پھر داغ کہاں بارِ خدایا جاتا

جہاں تیرے جلوے سے معمور نکلا پڑی آنکھ جس کوہ پر طور نکلا
یہ سمجھے تھے ہم ایک چرکا ہے دل پر دبا کر جو دیکھا تو ناسور نکلا
وجود و عدم دونوں گھر پاس نکلے نہ یہ دور نکلا نہ وہ دُور نکلا
نہ نکلا کوئی بات کا اپنی پُورا مگر ایک نکلا تو منصور نکلا
سمجھتے تھے ہم داغ گمنام ہوگا مگر وہ تو عالم میں مشہور نکلا

دیکھ کر تیری ادا جی سے گذر جائے گا
مرنے والا تو قیامت میں بھی مر جائے گا
میرے ہمراہ پسِ مرگ ڈبونے کے لیے
دیدۂ تر نہ سہی دامنِ تر جائے گا
بوجھ ڈالے نہ بہت دستِ دعا پر تاثیر
مجھ کو ڈر ہے کہ میرا ہاتھ اُتر جائے گا
کسی بندے پہ بُرا وقت نہ ڈالے اللہ
کیا خبر تھی کوئی یوں ہجر میں مر جائے گا
اب تو اے داغ مرے غم سے وہ خوش ہیں پھر کیا؟

آخر اک دن یہ زمانہ بھی گزر جائے گا

چاہتا ہے کب مرنا کوئی سخت جان اپنا
تجھ کو چاہیے قاتل اوّل امتحاں اپنا
جب یقین عشق آیا پھر وہ بُت کہاں اپنا
آ گئے غضب میں ہم دے کے امتحاں اپنا
دل میں جس کے قدر ہے درد اس کو کیا یقیں آئے
داغ بے نمود اپنا زخم بے نشاں اپنا
دوستی کے پردے میں کون دشمنی کرتا
اس کی مہربانی ہے جو ہے مہرباں اپنا
ہم ستم رسیدوں کو زندگی مصیبت ہے
خضر پر دھرے احساں عمر جاوداں اپنا
ہائے میرے قاتل کو مفت کی ہے بدنامی
کام کر گئی ہوتی مرگ ناگہاں اپنا
دھوم صبح محشر کی داغ سنتے آتے ہیں

پر نہیں کچھ اندیشہ خواب ہے گراں اپنا

ہجر میں عیش گذشتہ جو مجھے یاد آیا داد بے داد کو ہنگامۂ فریاد آیا
لیجیے سنئے اب افسانۂ فرقت مجھ سے آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا
بے ستوں سے یہی آواز چلی آتی ہے جو کیا تو نے وہ آ کے ترے فرہاد آیا
دی شب وصل موذن نے اذاں پچھلی رات ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

عاشق چہرا ہوا بندۂ گیسو نہ ہوا
دل تو کافر بھی کتابی ہوا ہندو نہ ہوا
پند گو لطف ملاقات اسے کہتے ہیں
خوش کبھی میں نہ ہوا شاد کبھی تو نہ ہوا
جب عمل ان کے تلیں گے تو کہیں کے میکش
آج کو رطل گراں سنگ ترازو نہ ہوا
لڑتی ہیں کچھ عجب انداز سے نیچی نظریں
کوئی آئینہ ہوا آپ کا زانو نہ ہوا

دوست دشمن کو ترے ناز نے اکثر مارا
ایک ہی وار میں دونوں کو برابر مارا

قلزمِ عشق میں ہے گوہرِ مقصود اے دل
تو نے غوطہ نہ کبھی اس میں شناور مارا

مارنا دل کو سمجھتا ہوں جہادِ اکبر
وہی غازی ہے بڑا جس نے یہ کافر مارا

اے محبت دلِ آشفتہ کا سودا دیکھا
اس کے زلفوں سے لیا اور مرے سر مارا

یہ ستم طرفہ ستم ہے کہ تڑپتا ہی رکھا
جان سے تو نے کسی کو نہ ستمگر مارا

مدعی کوئی بھی میدان سخن میں نہ رہا
تو نے کیا معرکہ اے داغ سخنور مارا

جہاں میں کیا نہ ڈھونڈا کیا نہ پایا
مزاج ان کا دماغ اپنا نہ پایا

مزا کچھ تم نے ای موسی نہ پایا
وہ پایا اس طرح گویا نہ پایا

ملا مصرِ محبت میں جو ہم کو		زلیخا نے بھی وہ سودا نہ پایا
قیامت کا کیا ہے اس نے وعدہ		قیامت ہے اگر تنہا نہ پایا

کن بیکسوں کا پردہ یہ چرخِ کہن ہوا
جیتوں کا پیرہن نہ مروں کا کفن ہوا
اے عشق سن نہ لے کہیں فرہاد یہ صدا
تیشہ پکارتا ہے کہ میں کوہ کن ہوا
جوشِ جنوں نے ساتھ دیا جوشِ حُسن کا
ٹکڑے اِدھر نقاب ادھر پیرہن ہوا
وہ اور ہیں جو پیتے ہیں موسم کو دیکھ کر
آتی رہی بہار میں توبہ شکن ہوا
مجنوں دلِ رمیدہ کی تاثیر دیکھ لی؟
وحشت سے تیری ناقۂ لیلیٰ ہرن ہوا

فرہاد کے مرجانے کا مذکور نہ کیجے		کچھ آپ کی تلوار کا احسان نہ ہوا تھا

بیخود جو ہوا میں تو غضب ٹوٹ پڑا ہے
آئینہ تمھیں دیکھ کے حیران ہوا تھا

محشر میں بھی عشاق کا سر اُٹھنے نہ دینا
دنیا میں بھلے کو ترا احسان ہوا تھا

اس وعدہ فراموش کا اللہ رے تغافل
گویا نہ کیا تھا کبھی پیمان ہوا تھا

دل داغ نے کیوں خاک کیا صبر ہی کرتا
اتنا نہ ہوا تھا کوئی خواہان ہوا تھا

مزا عشق کا ہے پر افسوس رہنا
ہماری تمنا ہے مایوس رہنا

یہ قیدِ محبت اک آزادگی ہے
مگر کوئی جانے بھی محبوس رہنا

خوشا وہ زمانہ کہ تھا دل کا شیوہ
نہ مایوس ہونا نہ مانوس رہنا

یہ سیکھا ہی تو اشک غماز کس سے
مری آنکھ میں بن کے جاسوس رہنا

الٹ دے ذرا روئے روشن سے پردہ
یہ کیا شمع ساں زیر فانوس رہنا

یاں امتحان برق تجلّی ضرور تھا
کیا میں نہ تھا اس آگ میں جلنے کو طور تھا
پاسِ ادب سے رہ گئی فریاد کچھ ادھر
ہیں کیا کہوں کہ عرشِ بریں کتنی دور تھا

کیوں نا امید عفو ہوں کیا یہ سنے گا وہ
اس کا نہ بخشنا تری رحمت سے دُور تھا

دیکھا سلف سے آج تک انصاف عشق کا
تقصیروار تھا وہی جو بے قصور تھا

اے داغ صدمۂ غم ہجراں بجا درست!
یہ سب سہی، مگر تمھیں جینا ضرور تھا

جان لے جائے گا آنا شبِ تنہائی کا
کون اب روکنے والا ہے مری آئی کا

اس قدر ناز ہے کیوں آپ کو یکتائی کا
دوسرا نام ہے وہ بھی مری تنہائی کا

زندہ ہے نام شہادت کا اسی کے دم سے
ترے کشتے نے کیا کام مسیحائی کا

کیا غرض ہے مری تقدیر کو مجھ سے پوچھے
آبرو کا ہے طلبگار کہ رسوائی کا

عیش بھی اندوہ فزا ہو گیا — ہائے طبیعت تجھے کیا ہو گیا
یہ نہ تھی کوئی بگڑنے کی بات — حرفِ خوشامد بھی گِلا ہو گیا
داغ وہ بہتر ہے جو مرہم بنا — درد وہ اچھا جو دوا ہو گیا
اے دلِ بیتاب خدا کی قسم — عشق میں جی تجھ سے بُرا ہو گیا
آپ سے اقرار کے سچے کہاں — وعدہ کیا اور وفا ہو گیا
سب مجھے دیوانہ بنانے لگے — لُو یہ تمھارا ہی کہا ہو گیا
داغؔ قیامت میں یہ مژدہ سنے — جا تجھے فردوس عطا ہو گیا

ستم کیا تو مرے دل کی آرزو نے کیا
مجال ہے یہ کہوں تجھ سے جور تو نے کیا
وہ عرضِ حال سے رکھتے ہیں ہاتھ کانوں پر
اثر یہ خوب مری طرزِ گفتگو نے کیا
جگر کے ٹکڑے مِلا دے تو بخیہ گر جانوں
اگرچہ جیب کو ثابت ترے رفو نے کیا
رقیب اس کے بھی قابل نہیں خدا کی قسم

اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا

کچھ سعی سے اقبال میسر نہیں ہوتا
ہر آئینہ گر داغ سکندر نہیں ہوتا

کیا کوئی زمانے میں ستمگر نہیں ہوتا
ہوتا ہے مگر تیرے برابر نہیں ہوتا

شاید ہے سبب تیری بری ہو کہ تسلی ہو
مرتا ہوں جو بے چین گھڑی بھر نہیں ہوتا

ہم شکوۂ بیداد کہیں بھول نہ جائیں
دنیا میں بپا فتنۂ محشر نہیں ہوتا

کیا مر نہیں جاتا قلقِ ہجر سے کوئی
باور نہیں آتا تمھیں باور نہیں ہوتا

شوق نے آوارہ کیا تھا مجھے — خیر ہوئی میں ترے در پر گرا
چرخ سے کیا تھی ہوس سروری — سنگِ مصیبت مرے سر پر گرا

خوب اٹھا جو تری رہ میں اٹھا   خوب گرا جو ترے در پر گرا

مانع رفتار ہو کیا اس کو پتھر زیر پا
جس نے سارے روند ڈالے کاسۂ سر زیر پا
آرزو کمبخت نے کی تھی خرام ناز کی
دیدیا اس نے مجھے دل کو مسل کر زیر پا

ڈوب کر سینے میں اس رنگ سے پیکاں نکلا
دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارماں نکلا
خضر کیونکر نہ رہِ عشق میں کترا کے چلیں
طائر سدرہ بھی اس رہ سے پرافشاں نکلا
ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک ہے تری ہمراہی
قدم اپنا بھی اب اے گردش دوراں نکلا
دلِ سوزاں نے کہیں آگ نہ چھوڑی شب ہجر
صبح خورشید کے ...

راز دل کوئی کہے لاکھ ہیں کیونکر اپنا
داور حشر جدا چاہیے محشر اپنا

دھوم ہے کوچۂ قاتل میں قیامت آئی!
فیصلہ ہم بھی کیے لیتے ہیں چل کر اپنا

کم نہ تھی شوخی رفتار سے بے تابیٔ شوق
راہ میں پاؤں پڑا ان کے برابر اپنا

ہم کسی کام میں تقدیر کے قائل ہی نہ تھے
کچھ نہ بن آئی تو کہتے ہیں مقدر اپنا

توبہ کے بعد بھی خالی نہیں دیکھا جاتا
دور رہتا ہے بھرا شیشہ و ساغر اپنا

داغ اس کا الم اس کا غم ہجراں اس کا
سینہ اپنا جگر اپنا دل مضطر اپنا

ہوا ہے جب سے شہرہ اس عدوئے دین و ایماں کا
کوئی دل چیر کر دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا

مریضِ جاں بلب دیکھے ہیں پر ایسے نہیں دیکھے
خدا حافظ نہیں ہوتا ترے بیمارِ ہجراں کا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا — جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں — لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا
دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں — الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
دیکھا ہے بتکدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ — ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا
ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے — اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

آئینہ تصویر کا تیری نہ لے کر رکھ دیا
بوسہ لینے کے لیے کعبے میں پتھر رکھ دیا
ہم نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجا رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا
قطرۂ خونِ جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا

منصفی ہو تو غضب نا منصفی ہو تو ستم
اس نے میرا فیصلہ موقوف مجھ پر رکھ دیا
آتش دوزخ پہ ہوگا آتشِ تر کا گماں
گر کسی میکش نے اپنا دامن تر رکھ دیا
کل چھڑا لیں گے یہ زاہد آج تو ساقی کے ہاتھ
رہن اک چلّو پہ ہم نے حوضِ کوثر رکھ دیا
داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں
حالِ دل کمبخت نے سب ان کے منھ پر رکھ دیا

لیکے دل وہ چھیڑ سے کچھ کہہ گیا ۔۔۔ دیکھتے کا دیکھتا میں رہ گیا
ہائے میری خستگی و ماندگی ۔۔۔ چل دیا سب قافلہ میں رہ گیا
عاشقوں سے عشق چھپتا ہی کہیں ۔۔۔ پھوٹ کر جب روئے دریا بہ گیا
داغ سے اٹھا نہ اک رشکِ رقیب ۔۔۔ جو ستم سہنے کے تھے سب سہ گیا

حشر کے دن وہی کافر مجھے مل جائے گا

میرے کردار کی ہے اور مکافات ہی کیا

عالمِ وجد میں بے خود نہیں ہوتے صوفی
نشہ میں چور ہیں رندانِ خرابات ہی کیا

ہمت اے دیدۂ تر قطرہ فشانی کب تک
موسلا دھار نہ برسے تو وہ برسات ہی کیا

روز پیتے ہیں صبوحی بھی ادا کر کے نماز!
فرق آجائے تو پابندیِ اوقات ہی کیا

کشتۂ ناز کو کیوں زندہ کریں آکے مسیح
تم ہی ٹھکراؤ کہ ہو اس میں کرامات ہی کیا

اب تمنائے شبِ وصل ہے کس کا ذکر!
بات کرتے ہیں اگر بیٹھے تو دن رات ہی کیا

بلا سے وہ دشمن ہوا ہے کسی کا — وہ کافر صنم کیا بنا ہے کسی کا
دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے — کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا
بچے جان کس طرح تیری ادا سے — قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا

وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں — یہ سچ ہے تو بس فیصلا ہے کسی کا
سنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم — وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا
بظاہر نہ جلانے نہ جانے — مگر داغ دل جانتا ہے کسی کا

ادھر دیکھ لینا ادھر دیکھ لینا — کنکھیوں سے اس کو مگر دیکھ لینا
ہمیں جان دینگے ہمیں مر مٹیں گے — ہمیں تم کسی وقت پر دیکھ لینا
تغافل میں شوخی نرالی ادا تھی — غضب تھا وہ منہ پھیر کر دیکھ لینا
تماشائے عالم کی فرصت ہی کس کو! — غنیمت ہے بس اک نظر دیکھ لینا
نہیں رکھنے دیتے جہاں پاؤں ہم کو — اسی آستانے پہ سر دیکھ لینا
نہ دینا خطِ شوق گھبرا کے پہلے! — محل موقع اے نامہ بر دیکھ لینا
جلایا تو ہے داغ کے دل کو تم نے — مگر اس کا ہوگا اثر دیکھ لینا

شبِ فراق جو دستِ دعا بلند ہوا — ندا میں آئیں کہ بابِ قبول بند ہوا
مجھے تو شیوۂ آزادگی کمند ہوا — کہ دامِ قطعِ تعلق میں پائے بند ہوا
یہ دل تو وہ ہے کہ ہیں اس سے دردمند ہوا — یہ کیا پسند کیا تم کو کیا پسند ہوا

سپہر صرف مرے در پے گزند ہوا — غضب ہوا کہ زمانہ کا کام بند ہوا
فلک نے کینہ لیا تو نے ظلم میں نے وفا — ازل میں وہ ہی ملا جس کو جو پسند ہوا
مزا تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے — خضر کو رشتۂ عمر ابد کمند ہوا
جواب روزِ جزا یہ ہی سن لو حضرتِ دل — کہ بے نیاز کو نازِ بتاں پسند ہوا
علاج نشۂ الفت کا داغ ہو نہ سکا — گھڑی گھڑی میں دوبالا ہوا دوچند ہوا

کھینچا غمِ فرقت کا دل تو نے عذاب ایسا
ہم تجھ کو نہ سمجھے تھے اے خانہ خراب ایسا
جو عرضِ تمنا پر ظالم نے کہا مجھ سے
اب تک نہ ملا ہوگا سائل کو جواب ایسا
مرنے بھی نہیں دیتے جینے بھی نہیں دیتے
احسان ترحم وہ انداز عتاب ایسا
تن تن کے جو چلتا ہے وہ شوخ کماں ابرو
ایک ایک سے کہتا ہے ہوتا ہے شباب ایسا
قسمت نے مری پایا جو رنج محبت میں

دوزخ کے بھی حصّے میں آیا نہ عذاب ایسا

ہیں شوق میں بیخود ہوں وہ غیر سے کہتے ہیں
کر دیتی ہے انساں کو بدمست شراب ایسا

نومید کرم ہو کر ہم توبہ کریں مے سے
دوزخ میں پڑے زاہد بے لطف ثواب ایسا

اے حضرت داغؔ اس کو غیروں سے غرض کیا ہے!
وہ اور یہ رسوائی سمجھیں نہ جناب ایسا

جواب اس طرف سے بھی فی الفور ہوگا دبے آپ سے وہ کوئی اور ہوگا
تغافل سے بڑھ کر بھی کیا جور ہوگا ستم ہو چکا یا ابھی اور ہوگا
نہ عاشق کو شکوہ نہ معشوق سرکش الٰہی وہ کیا عہد کیا دور ہوگا
کسی کا نہ ہوگا قیامت میں کوئی زمیں اور ہوگی فلک اور ہوگا
عیادت کو وہ داغؔ کی خوش خوش آئے یہ جانا کہ اب طور بے طور ہوگا

اب دل ہے مقام بیکسی کا یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا

رونا ہی اب اس ہنسی خوشی کا ماتم ہے بہارِ زندگی کا
کس کس کو مزہ ہے عاشقی کا تم نام تو لو بھلا کسی کا
گلشن میں ترے لبوں نے گویا رس چوس لیا کلی کلی کا
اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں کہنا نہیں مانتے کسی کا

نہ ہوا پر نہ ہوا شوق کا دفتر پورا
ایک ہی دن میں ہوا قصۂ محشر پورا
مجھ کو دم بھر کی بھی فرصت نہ ملی نالوں سے
ورنہ گھڑیال ٹھہرتا ہے گھڑی بھر پورا
اپنے حصے کی بچا لیتے ہیں دینے والے
نہ بھرا ساقیِ کم ظرف نے ساغر پورا
اس کی رفتار نے کی اور قیامت برپا
اٹھنے پایا بھی نہ تھا فتنۂ محشر پورا
ختم ہے شوخیِ الفاظ و تلاشِ مضمون
ہے تو یوں داغِ سخنور ہے سخنور پورا

تو ہے مشہور دل آزار یہ کیا ۔۔۔ تجھ پر آتا ہے مجھے پیار یہ کیا
جانتا ہوں کہ مری جان ہے تو ۔۔۔ اور میں جان سے بیزار یہ کیا
تری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں ۔۔۔ سب انھیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا
سر اڑاتے ہیں وہ تلواروں سے ۔۔۔ کوئی کہتا نہیں سرکار یہ کیا
ضعف رخصت نہیں دیتا افسوس ۔۔۔ سامنے ہے درِ دل دار یہ کیا
ہاتھ آتے ہی متاعِ الفت ۔۔۔ ہاتھ ملتے ہیں خریدار یہ کیا
وحشتِ دل کے سوا الفت میں ۔۔۔ اور ہیں سیکڑوں آزار یہ کیا
پاؤں پر ان کے گرا میں تو کہا ۔۔۔ دیکھ ہشیار خبردار یہ کیا
یا نہیں سنئے تو پھڑک جائیے گا ۔۔۔ گرم ہیں داغ کے اشعار یہ کیا

ہم مٹ گئے تو پرسش نام و نشاں ہے اب
اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب
میں کیا کروں بلا سے جو تو مہرباں ہے اب
وہ دل کہاں ہے اب وہ طبیعت کہاں ہے اب
کیا لطف دوستی کہ نہیں لطف دشمنی

دشمن کو بھی جو دیکھئے پُورا کہاں ہے اب

اس دَور میں نصیب کہاں عیش جاوداں
غم بھی نصیب ہو تو وہی ارمغاں ہے اب

کیا کیا ملائے خاک میں انسان چاند سے
سچ پوچھئے اگر تو زمیں آسماں ہے اب

بیٹھے ہیں ہم بھی گوش بر آواز کہہ تو دو
آنا ہے جس کو آئے یہاں امتحاں ہے اب

تم کو یقیں نہیں تو نہ ہو اس کا کیا علاج
کم بخت داغؔ تم سے بہت بدگماں ہے اب

خلق کے اعمال نامے چھین لوں گا حشر میں
گم ہوا ہے ہاتھ سے قاصد کے دلبر کا جواب

پہلے تو میری گزارش سن کے وہ چُپ ہو رہے
کیا کہوں پھر کیا ملا عرضِ مکرر کا جواب

سرورِ ہر دو سرا ہے، بخدا کون؟ کہ آپ
شافعِ روزِ جزا ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

یا نبی آپ پہ اللہ نے بھیجی ہے درود!
لائقِ صلِّ علیٰ ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

صبرِ ایوب بھی تھا گریۂ یعقوب بھی تھا
کانِ تسلیم و رضا ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

سببِ کن فیکن آپ ہی کی ذات ہوئی
باعثِ ارض و سما ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

اللہ اللہ رے کیا شان ہے محبوبی کی
اور محبوبِ خدا ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

یا محمدؐ مری کشتی کو لگا دیجئے پار!
ناخدا بہرِ خدا ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

آپ کے ہاتھ میں ہے عقدہ کشائی اس کی
داغ کا عقدہ کشا ہے، بخدا کون؟ کہ آپ

تو نہ کر نخوتِ شباب بہت ہم نے دیکھے ہیں انقلاب بہت
شعلہ رُو سیکڑوں نظر آئے ہیں زمیں پر بھی آفتاب بہت
کچھ سمجھ کر وہ ہو رہے خاموش تھے مری بات کے جواب بہت
پیرِ میخانہ کے دعا گو ہیں! یہ سلامت رہے شراب بہت
ہجر بت اور صحبتِ واعظ! خلد میں بھی تو ہیں عذاب بہت

ہے طرفہ تماشا سرِ بازارِ محبت دل بیچتے پھرتے ہیں خریدارِ محبت
خسرو سے جو چاکر ہیں تو محمود سے بردے اللہ رے اللہ رے سرکارِ محبت
واعظ کی زباں پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا بخشے ہی نہ جائینگے گنہ گارِ محبت

عالمِ یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت
دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت
تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا!
ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت
سوچیئے دل میں تو ہے عشق نہایت دشوار

نہ سمجھئے تو یہی کام ہے آسان بہت
قتل ہونے نہ دیا شکرِ جفا نے مجھ کو

کام آتے ہیں بُرے وقت میں اوسان بہت
کاش دو چار ہزاروں میں تو ہوں کافرِ عشق

ہم نے کعبے میں بھی دیکھے نہ مسلمان بہت

قیامت کے دن کیا نہ آئیگی رات
مری تیرہ بختی دکھائیگی رات
شبِ ہجر کا ساتھ دینا پڑا
بہت عمر میری بڑا ایگی رات

کب بات ہو بغیر خوشامد وہاں درست
وہ نادرست بھی جو کہیں کہیے ہاں درست

تھوڑے سے دن بہار کے ہیں کس امید پر
کرتے ہیں اپنا مرغِ چمن آشیاں درست

آنکھوں میں رہ کہ دل میں ٹھہر تیرے واسطے
آراستہ ہر ایک مکاں ہر مکاں درست

آتا ہے سامنے جو وہ غارتگرِ شکیب
اوسان داغ رہتے ہیں اپنے کہاں درست

بگڑی شوریدہ سری سے مرے گھر کی صورت
وہی دیوار کی صورت ہے جو در کی صورت
اے جنوں خاک بیاباں کو بیاباں سمجھوں
میری آنکھوں میں ابھی پھرتی ہے گھر کی صورت
اس کو دیکھے کوئی محفل میں یہ کس کی طاقت
ہر بشر دیکھنے لگتا ہے بشر کی صورت
در و دیوار کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا
ان کے آتے ہی بدل جاتی ہے گھر کی صورت
لیے جاتا ہے ہمیں جوشِ جنوں صحرا کو!
دیکھتے جاتے ہیں منھ پھیر کے گھر کی صورت
حضرتِ داغ تو شاعر ہیں ہوا باندھتے ہیں
نہ دعا کی کوئی صورت نہ اثر کی صورت

اس کو ضرور ہے مری بربادیوں کی فکر ؟
گردش میں رات دن نہیں چرخِ کہن عبث
پامال کر کے خاک اُڑا دو ہوا میں تم
ناحق ہے فکرِ گور تلاشِ کفن عبث

اب سے ہماری توبہ کری جو وفا تو کیا عبث
عجز و نیاز عشق ہیچ خواہشِ التجا عبث
میری صدا سے پیشتر آتی ہے یہ ندا کہ بس
بابِ قبول بند ہے مانگتے ہو دُعا عبث
لطفِ قبول تو یہ ہے لطفِ اثر حصول ہو
لوگ اخیر وقت میں مانگتے ہیں دُعا عبث

برسوں سے لگ رہی تھی لبِ بام ٹکٹکی
تھک تھک کے گر پڑی نگہِ انتظار آج
ناصح نے میرا حال جو مجھ سے بیاں کیا

آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار آج

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برقِ بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

انجامِ محبت پہ کریں خاک نظر آج
انسان ہے مجبور نہیں کل کی خبر آج

مہمان ہے وہ غیرتِ خورشید و قمر آج
دن آج ہی رات آج ہی شام آج سحر آج

کل تابِ فغاں تھی تو یہ تاثیر کہاں تھی
کیا کیا لبِ خاموش پہ قرباں ہی اثر آج

وعدہ پہ مرے اُن کے قیامت کی ہی تکرار
اور بات ہے اتنی کہ اُدھر کل ہی اِدھر آج

یہ شوق یہ ارمان یہ حسرت یہ تمنا!
کیا ہو مرے قابو میں تم آجاؤ اگر آج

زاہد کا عمامہ ہو کہ ہو شیخ کی دستار

ان دونوں پہ طرّہ ہے مرادامنِ تر آج

قطعہ

وہ میں کہ میسر تھا مجھے ساغرِ جمشید
پیتا ہوں تو کرتا ہے کمی خونِ جگر آج

وہ میں کہ مرا قصر ہر اک رشکِ ارم تھا
بستر ہے گدایانہ سرِ راہ گذر آج

وہ میں کہ مری عرش پہ تھی منزل عالی!
کرتی ہے زمیں بھی مرے قدموں سے حذر آج

وہ میں کہ مجھے عالم بالا کی خبر تھی!
اے بے خبری خاک نہیں اپنی خبر آج

وہ میں کہ مجھے سیرِ گلستان سے غرض تھی
ہے خونِ جگر اور مرا دیدۂ تر آج

سامان تھا دنیا کا مرے واسطے موجود
دُنیا سے گذرنے کو نہیں زادِ سفر آج

فرقت کے رنج فاقہ کشی کے ملال کھینچ
اے داغ پر زمانے سے دستِ سوال کھینچ
نازک بہت ہے رشتۂ الفت نہ ٹوٹ جائے
اتنا نہ اپنے آپ کو اے مہ جمال کھینچ

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زباں کی طرح
بگڑ گئی ہے یہاں بے طرح جہاں کی طرح
کہاں کی وضع کہاں کی ادا کہاں کی طرح
چھڑا دے قید سے اے قید ہم اسیروں کو
لگا دے آگ قفس میں بھی آشیاں کی طرح
جوابِ خضر ہیں وہ مردہ دل کہ جن کو یہاں
ملی ہے مرگِ ابد عمرِ جاوداں کی طرح
جلا کے داغِ محبت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

یہ سدِ راہ ہوا کس کا پاسِ رسوائی
رُکے ہوئے ہیں مرے اشک کارواں کی طرح

ہم اپنے ضعف کے صدقے بٹھا دیا ایسا
ہلے نہ در سے ترے سنگ آستاں کی طرح

ادائے مطلب دل ہم سے سیکھ جائے کوئی
انھیں سنا ہی دیا حال داستاں کی طرح

خدا قبول کرے داغؔ تم جو سوئے عدم
چلے ہو عشقِ بتاں لیکے ارمغاں کی طرح

دل نہ رہا سینے میں دم کی طرح ٹوٹ گیا تیری قسم کی طرح
میری وفا بھی عجب استاد ہے تم کو سکھاتی ہے ستم کی طرح
عہد کسی طرح گوارا نہ تھا! اس نے قسم کھائی ہے سم کی طرح

داغؔ دیار ہے کعبہ اگر!
بچ نہ گئے صیدِ حرم کی طرح

دل میں ہے غم و رنج و الم حرص و ہوا بند
دنیا میں مخمس کا ہمارے نہ کھلا بند

موقوف نہیں دام و قفس پر ہی اسیری
ہر غم میں گرفتار ہوں ہر فکر میں پا بند

اک حرفِ محبت پہ بگڑتے ہیں وہ سو بار
اب دفترِ افسانۂ الفت ہی ہوا بند

اس کوچے میں جاتے ہی اجل آئی ہماری
جنت میں بھی یارب نہ ہوئی راہ قضا بند

ہم دام میں پھنستے ہی ہوئے عاشقِ صیاد
یہ اور بھی اک بند پہ مضبوط لگا بند

کہتے تھے ہم اے داغؔ وہ کوچہ ہے خطرناک
چھپ چھپ کے مگر آپ کا جانا نہ ہوا بند

تیری گلی سے گر ہو صبا یا نسیم بند
ہو گی نہ بوئے کاکلِ عنبر شمیم بند

قاتل کی طرز نیم تبسم اڑائی ہے
لب نیم وا ہیں زخمِ جگر کے تو نیم بند

جو خود نہ کھا سکے وہ کھلائے کسی کو کیا
رہتا ہے رات دن درِ گنجِ لئیم بند

اے داغؔ ان سے جور و جفا کا گلا عبث
تیرے کہے سے ہو گی نہ رسمِ قدیم بند

ملی ہم کو جنت قیامت کے بعد — ملے کیا خدا جانے جنت کے بعد
وفادار ہوتے ہیں دیر آشنا — یہ عقدہ کھلا ایک مدت کے بعد
ملا لوں ذرا آنکھ بھی زیرِ تیغ — مری جان نکلے گی حسرت کے بعد
حیا کے تبسم کے اغماض کے! — مزے لے رہا ہوں شکایت کے بعد

حسرت سے تک رہا ہوں جو تجھ کو سبب یہ ہے
خاک اڑتی دیکھتا ہوں میں اپنی وفا کے بعد

آخر بشر کے واسطے کچھ شغل چاہیئے

کیجیے گا آپ کیا ستم ناروا کے بعد
آرام کے لیے ہے تمھیں آرزوے مرگ
اے داغ اور چین نہ آیا فنا کے بعد

ہے قہر اگر اب بھی نہ ہو رازِ نہاں بند
لب بند نفس بند دہن بند زباں بند
جس دل کو لگی ہو وہ کرے خاک فغاں بند
کیجیے تری فریاد یہ کس کس کی زباں بند
اس عشق نے کیا قفل لگایا ہے دلوں پر
کینہ ہے وہاں بند تو حسرت ہے یہاں بند

چھپتی ہے کب چھپائے سے اے خوبرو پسند
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ آیا ہے تو پسند
ناکام جاوداں کی مجھے آرزو پسند
گم کردہ کارواں کی مجھے جستجو پسند

پہلے اسی کو چشم خریدار مول لے
یارب دلوں کے ساتھ بکے چارسو پسند

آنسو گرا جو آنکھ سے تقدیر نے کہا
ملتے ہیں دیکھ خاک میں یوں آبرو پسند

زاہد بڑی کریم ہے پیرِ مغاں کی ذات
واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند

محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا
یاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند

ہوتی ہے جنسِ مہر و وفا چارسو پسند
آگے تری پسند کرے جس کو تو پسند

ممکن کہ تجھ سا دیکھ لے چشمِ غلط نگر
اس کا کہاں جواب جسے آئے تو پسند

رگ رگ سے دم نکال لیا ڈھونڈ ڈھونڈ کر
دردِ فراق کی ہے مجھے جستجو پسند

حسرت کا یہ مزا ہے کہ دل میں خلش رہے
نکلی ہوئی ہمیں تو نہیں آرزو پسند

اے عرضِ مدعا تری تاثیر دیکھ لی!
قاصد کو بھی نہ آئی مری گفتگو پسند

اے داغ ہچکچا نے نہ ذلت سے عشق کی
دنیا میں ہو تمھیں تو بڑے آبرو پسند

جواب وصل نکلا آپ کے مُنھ سے نہیں بن کر
شکایت بھی یہاں آئی تو لب پر آفریں بن کر

شراب عشق کی ہم نے عجب تاثیر دیکھی ہے!
بگڑ کر یہ کہیں دیتی ہے کیفیت کہیں بن کر

یہاں ہم بدنصیبوں کے جو حصے میں نہیں آتی
الٰہی رہ گئی کیا خوبی قسمت وہیں بن کر

یاں دل میں خیال اور ہے واں مدِ نظر اور ہے حال طبیعت کا اِدھر اور اُدھر اور

ہر وقت ہے چتون تری اے شعبدہ گر اور
اک دم میں مزاج اور ہے اک پل میں نظر اور

جیتا نہ بچے ایک بھی جاں بر نہ ہو کوئی
دو چار ستمگار ہوں تیرے سے اگر اور

ٹھہرا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
لو حضرتِ دل ایک سنو تازہ خبر اور

اور اور ہیں آپ آپ ہیں کیا آپ سے نسبت
ہوں لاکھ زمانے میں اگر رشکِ قمر اور

ہم جانتے ہیں خوب تری طرزِ نگہ کو!
ہے قہر کی آنکھ اور محبت کی نظر اور

اے داغ مے عشق سے کیا زہر کو نسبت
ہے اس میں اثر اور وہ رکھتا ہے اثر اور

اب برسنے لگیں ہیں ہم پر بھی کھل گئی ہے زبان دشمن پر
داغ تم دل کو دوست سمجھے ہو دوستی کا گمان دشمن پر

لگتی ہے آگ جوشِ خریدار دیکھ کر
جلتا ہوں تیری گرمیِ بازار دیکھ کر

دم کھینچ کے آ گیا ہے مری چشمِ شوق میں
قاتل کھنچی ہوئی تری تلوار دیکھ کر

مجھ بادہ کش کے واسطے کوثر میں کیا بچا
جی بجھ گیا ہے مجمعِ مے خوار دیکھ کر

ٹھوکر بھی راہِ عشق میں کھانی ضرور ہے!
چلتا نہیں ہوں راہ کو ہموار دیکھ کر

اب گردشِ فلک کا طریقہ ہی اور ہے
آنکھیں کھلیں زمانے کی رفتار دیکھ کر

ہوگی ہماری کثرتِ عصیاں ہی سے نجات
آئے گا اس کو رحم گنہگار دیکھ کر

کیا دل کا جو رنگِ غم نے مسل کر کسی پھول کو دیکھ چٹکی میں مل کر
شبِ ہجر آخر موئے پر ہے آئی بنے خضر کی عمر یہ رات ڈھل کر

محبت نے کی جب مری دست گیری
مقدر نے رو رو دیا ہاتھ مل کر

ہوئے ایک دیر و حرم کے مسافر!
کچھ اس راہ چل کر کچھ اُس راہ چل کر

رہِ عشق کی ٹھوکریں ہم سے پوچھو
کہ سنبھلے ہیں یا گر کر گرے ہیں سنبھل کر

گماں بگولے پہ تھا کچھ یقین صرصر پر
کسی نے خاک نہ ڈالی مرے مقدر پر

نیاز و ناز دکھاتا ہے یہ نشیب و فراز
زمین زیرِ قدم آسمان ہے سر پر

کہاں کرشمۂ برقِ جمال و طور کہاں
پڑی تھی آہ کسی دل جلے کی پتھر پر

نہیں ہے ہوش سے خالی ہماری بیہوشی
کہ بیخودی میں گرے بھی جو ہم تو ساغر پر

اُلجھ رہا ہے وہ دیوانہ داغ درباں سے
بپا ہے حشر کا ہنگامہ آپ کے در پر

آئے ہیں ترے کوچے میں ہم گھر سے نکل کر
اب جائیں کہاں عرصۂ محشر سے نکل کر

دنیا ہی میں ملتے ہیں اُسے دوزخ و جنت
انسان ذرا سیر کرے گھر سے نکل کر

میں داورِ محشر سے بہت داد طلب تھا

وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر

مرنے کی بھی فرصت نہیں اے گردش ایّام
آسودہ ہوں کیونکر ترے چکر سے نکل کر

اللہ رے غیرت مری اللہ رے ہمت
آگے ہی رہا شوق میں رہبر سے نکل کر

محفل میں بٹھایا پھر انھیں کھینچ کے دامن
وہ چھپ کے چلے تھے مرے سر پر سے نکل کر

دلّی سے چلو داغ کرو سیر دکن کی
گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر

کہتے ہیں وہ یہ وصف گل نوبہار پر
طرّہ ہے اپنی ایک جوانی ہزار پر

اس کو مٹائے دیتی ہی بیداد آپ کی
اب کیجیے کرم ستم روزگار پر

پیری میں دل ہے یاد جوانی سے داغ داغ
آئی ہوئی ہے اپنی خزاں بھی بہار پر

ناز ہوتا ہے انھیں مال پرایا لے کر

دو ن کی لیتے ہیں میرا دلِ شیدا لے کر
ایسے لینے سے تو ہے جان کا دینا اچھا
کیا جئے گر جئے احسان کسی کا لے کر
وقتِ اظہارِ محبت بہت اتراتی ہے
دل کے بوسے مری جانب سے تمنا لے کر
اپنی آنکھوں سے تو دیکھی نہیں دل کی چوری
کیوں گنہگار ہوں میں نام کسی کا لے کر

ہر بات شبِ ہجر رہی ذہن نشیں اور
وہم اور خیال اور گماں اور یقیں اور
مسجد سے ہیں بت خانے کے انداز نرالے
در اور ہے سر اور ہے سنگ اور جبیں اور

بیان کس سے کروں ماجرائے دردِ جگر
جگر کو تھام کے کہتا ہوں ہائے دردِ جگر

کسے دماغ کہ احسان چارہ گر کے اُٹھائے
یہی نا، موت ہے بس انتہائے دردِ جگر

ایک دل اس میں کھٹکتے ہوئے ارماں دو چار
لاکھ تیروں کے برابر ہیں یہ پیکاں دو چار
دلِ آشفتہ کا مذکور رہے یا قصہ زلف
جمع ہو جاتے ہیں جس وقت پریشاں دو چار
دشتِ وحشت سے ہے اک معرکہ ہونیوالا
باندھ لوں گوشۂ دامن میں گریباں دو چار

فتنہ گر سینے میں دل اور وہ دل بر باہر
یہ قیامت ہے مری جان پہ اندر باہر
جلوہ بے تاب جو ہوتا ہے تو کب چھپتا ہے!
بجلیاں کوندتی ہیں پردے کے اندر باہر
ہم اسیروں کو خبر کیا ہے کدھر آئی بہار

نکہتِ گل بھی پھرا کرتی ہے باہر باہر

دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر
تو مجھے چھوڑ چلا اے دلِ شیدا کس پر

امتحاں نالۂ دل کا تو دکھا دوں لیکن
یہ تو سمجھو کہ فلک ٹوٹ پڑیگا کس پر

دے دیا اس کے مریضوں کو خدا نے بھی جواب
آپ بھولے ہوئے بیٹھے ہیں مسیحا کس پر

سامنے غیر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو!
چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

بزم اغیار کا ظاہر ہے اثر آنکھوں پر
مہرباں آپ کی نفرت مرے سر آنکھوں پر

گہہ نظر جانبِ در گاہ نظر سوئے فلک
شب کو صدمے یہ رہے تا بہ سحر آنکھوں پر

رحم آجائے دمِ ذبح نہ تجھ کو قاتل!
اپنے دامن کو بچھا دے مری تر آنکھوں پر

داغ کے دل کا تو کچھ بھید نہ پایا ہم نے
ایک حسرت سی برستی ہے مگر آنکھوں پر

جو بل ہے تری زلف گرہ گیر سے باہر
وہ پیچ نہیں ہے مری تقدیر سے باہر
حسرتِ دلِ حیراں ہے نہ نکلی ہے نہ نکلے
نکہت نہ ہوئی غنچۂ تصویر سے باہر
اک چشمۂ حیواں ہے تو اک چشمۂ کوثر
دو قطرے ہیں آبِ دمِ شمشیر سے باہر

وہی تو ہے شعلۂ تجلّی کہ دشتِ ایمن سے تنگ ہو کر
جب اس نے اپنی نمود چاہی کھلا حسینوں سے رنگ ہو کر
جھکی ذرا چشمِ شوخ جو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

رکھیے اب بہرِ عیادت نہ قدم گن گن کر
لے رہا ہے یہ مریض آپ کا دم گن گن کر
یاد آتی ہے اگر اک نگہِ لطف تری
بھول جاتا ہوں ترے لاکھ ستم گن گن کر

عمر کیوں کر نہ بسر کیجیے غافل ہو کر

کہ ملا ہے ہمیں اک قطرۂ مے دل ہوکر
پاؤں اٹھتا ہی نہیں دشت بھی زنداں ہے مجھے
جادۂ راہ لپٹتا ہے سلاسل ہوکر
ہم وہ ہیں گوش برآوازِ چمن چاہتے ہیں
شورِ محشر بھی اُٹھے شورِ عنادل ہوکر
قدرداں کوئی نہیں اہلِ سخن کا اے داغ
کیا کریں آہ کسی کام میں کامل ہوکر

تنگ ہے دل وسعتِ دامانِ محشر دیکھ کر
اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھکر
روز جاکر اس کے کوچے سے پلٹ آتے ہیں ہم
دیدۂ حسرت سے پہروں جانبِ در دیکھکر
خوگرِ رنج و بلا ہوں مجھ کو کچھ پروا نہیں
تم کو سناٹا گزر جائیگا محشر دیکھکر
وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے جیتے ہیں شاد

مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر دیکھکر
کیسے جلسے چھوڑکر ہم آئے ہیں اے اہلِ حشر
دل بھرے گا سیر سے دو چار محشر دیکھکر
لن ترانی سے غرض کیا حسنِ عالم سوز کو
ہم نظر خود ہی چرا جاتے ہیں اکثر دیکھکر
حضرتِ زاہد خدا کو آپ نے دیکھا نہیں
بندگی کرتے ہیں ہم اے بندہ پرور دیکھکر

دل نکلے کس طرح ترے پیکاں کو چھوڑ کر
جاتا ہے گھر سے کب کوئی مہماں کو چھوڑکر
قاتل خدا کے واسطے اک زخم اور بھی!
تلوار پھر سنبھال نمک داں کو چھوڑکر
دستِ جنوں کا اور کریں چارہ گر علاج
سر پیٹتا ہوں جیب و گریباں کو چھوڑکر
اہلِ عدم سے کہدو مروت سے دور ہے

تنہا نہ جاؤں گا شبِ ہجراں کو چھوڑ کر
ہر چند رام پور میں گھبرا رہا ہے داغ
کس طرح جائے کلبِ علیخاں کو چھوڑ کر

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیونکر
میں بھی دیکھوں تو پلٹتی ہیں نگاہیں کیونکر
جب وہ آنکھوں میں سمائے مرے دل میں آئے
بند ہوں ناصح نافہم یہ راہیں کیونکر
دردمندوں سے کہیں ضبطِ فغاں ہوتا ہے
چپکے چپکے ترے بیمار کراہیں کیونکر

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر
خوب تھی تنہا طریقِ عشق میں آوارگی
پاؤں پھولے ہیں ہمارے رہنما کو دیکھ کر

کوچۂ دشمن سے یہ آتی نہ ہو یارب کہیں
جی اُڑا جاتا ہے کچھ بادِ صبا کو دیکھ کر
حضرتِ زاہد ہماری چھیڑ کی عادت نہیں!
گدگدی ہوتی ہے دل میں پارسا کو دیکھ کر

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر
دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر
سیرِ خزاں بھی دیدۂ عبرت نگر کرے؟
کیا کی جو کی بہارِ گل و گلستاں کی سیر
دُنیا کے دیکھنے کے لیے آنکھ چاہیے
جنت کی سیر سے ہے سوا اِس مکاں کی سیر
دلّی میں پھول والوں کی ہے ایک سیر داغ
بلدے میں ہم نے دیکھ لی سارے جہاں کی سیر

مزے لوں درد کے ہیں تھوڑے ظلم سہہ کر

ستم کیجے تو تم تھم تھم کر جفا کیجے تو رہ رہ کر
چھپایا زلف نے چہرہ تو شوخی نے کیا ظاہر
ہزاروں بار نکلا وصل کی شب چاند گہہ گہہ کر

زہے تلاش کہ سرگرم جستجو ہو کر ملا ہوں رنگ میں رنگ اور بو میں بو ہو کر
ہوا ہوں میں بھی اب اے داغ اپنا دشمن آپ زمانہ دوست ہے اس کا مرا عدو ہو کر

چبھتا ہے مرے دل میں ترے ناز کا انداز آزار کا آزار ہے انداز کا انداز
کیا جھوم کے مستانہ چلا جانب مقتل دیکھو تو ذرا عاشق جانباز کا انداز
یوں زیر زمیں خاک میں اچھوں کو ملانا ٹھہرا فلک تفرقہ پرداز کا انداز
اے داغ مقلد ہیں اسی طرز کے ہم بھی ہر شعر میں ہو بلبل شیراز کا انداز

کیا بے مروت خلق ہے سب جمع ہیں بسمل کے پاس
تنہا مرا قاتل رہا کوئی نہیں قاتل کے پاس
کوسوں کی دوری یہ بھی ہے معشوق و عاشق ہیں اگر

لیلےٰ رہے محمل نشیں مجنوں رہے محمل کے پاس
دریائے الفت میں ملے کیا جانے آگے کیا بلا؟
جیسے جبینِ یار ہے جو موج ہے ساحل کے پاس
رہبر نے راہِ عشق میں برسوں دیئے چکّر مجھے
ظالم سے جب پوچھا کہا اب آگئے منزل کے پاس
قربان جاؤں یاس کے یہ کیا ملی دنیا ملی!
اک دولتِ جاوید ہے اک سلطنت ہے دل کے پاس
بحرِ محبت جوش پر میں کیا کروں نو مشق ہوں!
دم ٹوٹ جاتا ہے مرا آتا ہوں جب ساحل کے پاس
دیکھے ہیں حسن و عشق کے ہم نے نرالے شعبدے
موسیٰ کی جو مٹھی میں تھا وہ داغ نکلا دل کے پاس

وہ سمجھے کیا فلکِ کینہ خواہ کی گردش
اٹھائی جس نے تمھاری نگاہ کی گردش
طریقِ عشق میں ہے راہ راہ کی گردش

کبھی کبھی کا سکوں گاہ گاہ کی گردش
اسی دوراہے میں اپنے تو پاؤں ٹوٹ گئے
کہ برسوں دیر سے تا خانقاہ کی گردش
وہ اور بھول کے یوں میرے گھر چلے آئیں!
مگر نصیب سے لے آئی راہ کی گردش
اسے جو ڈھونڈیے بیٹھے بٹھائے ملتا ہے
نہ یہ کہ خضر سے گم کردہ راہ کی گردش
کسی کو گردشِ کعبہ کسی کو گردشِ دیر!
ہمیں تو وہ ہی نری جلوہ گاہ کی گردش

کبھی شاد درہم داغ سے کبھی آبلوں کے گہر سے خوش
یہ بڑی خوشی کا مقام ہے غم ہجر یار ہے گھر سے خوش
وہی دوست ہیں وہی آشنا وہی آسماں ہے وہی زمیں
عجب اتفاق زمانہ ہے کہ بشر نہیں ہے بشر سے خوش
وہ گلی ہو اور نظارہ ہو، یہ نظر ہو اور اشارہ ہو

کبھی شاد جلوۂ بام سے کبھی سیرِ روزنِ در سے خوش
مجھے تجھ سے شکوہ ہے اے فلک کبھی تو نے میری خوشی نہ کی
کوئی یہ بھی کام میں کام ہے جو کبھی ہو اہلِ ہنر سے خوش
یہ سنا جو حضرتِ داغؔ نے کہ حضور کعبے کو جائیں گے
یہی ذکر ہے یہی فکر ہے شب و روز عزمِ سفر سے خوش

آئے وہ بے وفا یہاں اسکی بلا کو کیا غرض
جائے درِ قبول تک میری دعا کو کیا غرض
موت کو اے دلِ حزیں اور بہانے ہیں بہت
آئے جو اُس کے ہاتھ سے میری قضا کو کیا غرض
اس کی گلی سے آئے کیوں نکہتِ زلف لائے کیوں
مجھ کو صبا سے ہے امید مجھ سی صبا کو کیا غرض
یہ تو مرا ہی کام ہے سجدے کروں تو میں کروں
کیوں ترے پاؤں پر گرے زلفِ رسا کو کیا غرض
ماتمِ داغؔ میں شریک ہو نہ ہوا اختیار ہے

گھر سے تمہیں بلائیں کیوں اہلِ عزا کو کیا غرض

بیداد و جور و لطف و ترحم سے کیا غرض
تم کو غرض نہیں تو ہمیں تم سے کیا غرض

کوئی ہنسا کرے تو بلا سے ہنسا کرے!
کیوں دل جلائیں برق تبسم سے کیا غرض

شیدائیوں کو عزتِ دنیا سے ننگ ہے!
دیوانہ کو ملامتِ مردم سے کیا غرض

لیتے ہیں جاں نثار کوئی منتِ مسیح!
جو ہو شہیدِ عشق اسے قُم سے کیا غرض

دل طرزِ انجمن ہی سے بے زار ہو گیا
مطلب ہمیں شراب کیا خم سے کیا غرض

جو خاکسارِ عشق ہیں ملتے ہیں خاک میں
اہلِ زمیں کو چرخِ چہارم سے کیا غرض

معشوق سے امیدِ کرم داغ خیر ہے!

اُس بندۂ خدا کو ترحم سے کیا غرض

میں اور حرف شکوہ غلط اے صنم غلط — واللہ جھوٹ ہے یہ خدا کی قسم غلط
دیکھے ہزار آئینہ و جام عمر بھر — افسانۂ سکندر و احوال جم غلط
آتا ہے وہم لغزشِ مستانہ دیکھ کر — پڑتے ہیں نامہ بر کے ہزاروں قدم غلط
تجھ سے امید ہو تو خدا سے ہوں ناامید — کیا جانتے نہیں ترے وعدہ کو ہم غلط
مصحف نہیں ہے نامۂ اعمال ہے مرا — یارب یہ ہے ہزار جگہ کم سے کم غلط

قول و قسم کی شرم ملاقات کا لحاظ — انسان کو ضروری ہے ہر بات کا لحاظ
اے شیخ یادِ دوست میں ہیں مست ایں و آں — لازم ہے مجھ سے رند خوش اوقات کا لحاظ
اے داغ میکدے میں گئے ہیں جناب شیخ — ٹوٹا ہے آج قبلۂ حاجات کا لحاظ

اس شوق کی نہیں بت قاتل کو اطلاع
افسوس ہے کہ دل کی نہ ہو دل کو اطلاع
ہے آدمی کو پردۂ غفلت سے زندگی

مرجائے گر ذرا بھی ہو غافل کو اطلاع

ہم تشنہ کام بزم سے اُٹھ آئے لاکھ بار
اس کی نہیں ہے ساقیِ محفل کو اطلاع

مرتا ہے کون عشق میں کس نے کیا ہے وار
قاتل کو اطلاع نہ بسمل کو اطلاع

مرگِ عدو سے آپ کے دل میں چھپا نہ ہو
میرے جگر میں اب نہیں ملتا سُراغِ داغ

تاریکیٔ لحد سے نہیں دل جلے کو خوف
روشن رہے گا تابہ قیامت چراغِ داغ

کیسی حیا و شرم طبیعت ہی برخلاف
بولے ہزار بار وہ مجھ سے مگر خلاف

اس سے زیادہ اور معلم نہیں کوئی
ہے خوش نصیب جس سے زمانہ ہو برخلاف

اے داغ زندگی کی توقع ہو کس طرح
قسمت خراب سخت مرض چارہ گر خلاف

اے دل خوشا وہ دل جو پھرے یار کی طرف
دونوں جہاں ہیں ایسے طرفدار کی طرف

سیلِ سرشک اپنے ہی گھر ہیں بہائیں گے
کیوں جائے یہ بلا تری دیوار کی طرف

بے کس رہیں گے حشر میں کب مجرمانِ عشق
رحمت کہے گی ہم ہیں گنہ گار کی طرف

دی جان کس خوشی سے تہِ تیغ داغ نے
لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

غم اُٹھانے کے ہیں ہزار طریق
کہ زمانے کے ہیں ہزار طریق

غیر کے ذکر پر نہیں موقوف
جی جلانے کے ہیں ہزار طریق

نہیں خالی تسلیاں ان کی
آزمانے کے ہیں ہزار طریق

ان کو سو سو بہانے آتے ہیں
ہر بہانے کے ہیں ہزار طریق

مہربانی کی ایک راہ تو ہو
گر ستانے کے ہیں ہزار طریق

یہ سب جھگڑے ہیں جانِ ناتواں تک
رہے گا دم کہاں تاب غم کہاں تک
زباں سے تھا نہ ممکن شکوۂ جور
اشاروں سے کہا آخر کہاں تک
کہوں کیا طالعِ وارُوں کی تاثیر
گرا ہوں میں پہنچ کر آسماں تک

ساقیا ابر ہے دے جام شتاب ایک پر ایک
آج محفل میں گرے مستِ شراب ایک پر ایک
گر سنے بزم طرب میں مری آہنگِ فغاں
چھڑ کے بولے نہ کبھی تارِ رباب ایک پر ایک
لبِ جو سیر کو آیا ہے جو وہ بحرِ جمال
ٹوٹا پڑتا ہے تماشے کو حباب ایک پر ایک
توڑ اس طرح سے اے نالۂ دل ساتوں فلک
کہ گرے ٹوٹ کے یہ خانہ خراب ایک پر ایک

کبھی پورا نہ ہوا تیری جفاؤں کا شمار
ہم بڑھاتے ہی گئے وقت حساب ایک پر ایک

دعا مانگے دلِ غمگیں کہاں تک | کہوں میں دم بدم آمیں کہاں تک
مجھے چھوڑیں خدا پر دوست میرے | یہ ہنگامہ سر بالیں کہاں تک
بجا ہے عشق میں بے صبر ہوں میں | رہے گی آپ کی تمکیں کہاں تک
تڑپنے دو ابھی میں بھی تو دیکھوں | وہ دیتے ہیں مجھے تسکیں کہاں تک

رہا جذبِ دل کا اثر دیر تک | ملائے رہے وہ نظر دیر تک
کچھ ایسی رہی میری تغییر حال | وہ سوچا کیے دیکھ کر دیر تک
وہ رخصت طلب اور میں جاں بلب | رہا حشر وقت سحر دیر تک
محبت میں تکرار کا ہے مزہ | گلے ہوں جو باہم دگر دیر تک
وہ سمجھے نہ سمجھے مرا مدعا؟ | ہلی اُن کی گردن مگر دیر تک
نئی چاہ چھپتی ہے اے داغ کب | اُڑے گی ابھی یہ خبر دیر تک

ہزاروں دوست دشمن بزم میں اس کی رہے لیکن
رہا اک شکل پر نظم و نسق اول سے آخر تک
بشر کو گر نہ ملتی کس کو ملتی عشق کی دولت!
نہیں تھا کوئی اس کا مستحق اول سے آخر تک

جا سکے جو نہ آپ کے در تک | جائے وہ داد خواہ محشر تک
دل کا آئینہ خوب صاف کیا | اور ہم نے مٹائے جوہر تک
کیا ٹھکانا ہے اس کدورت کا | خاک اڑتی ہے دیدۂ تر تک
آتش توبہ سوز آگ لگے! | آنچ آئی نہ دامنِ تر تک
کوئی مٹتا ہے داغِ دل اے داغ | یہ جلے گا چراغ محشر تک

کیوں نہ جہاں میں ہو عیاں عیب و ہنر الگ
دیکھتے ہیں بہ چشم غور اہل نظر الگ الگ
روح فزا کسی کو ہے رُوح گزا کسی کو ہے
بادۂ عشق نے کیا اپنا اثر الگ الگ

اس کی تلاش میں مگر ایک کا ایک ہے رقیب
پھرتے ہیں روز و شب جو یوں شمس و قمر الگ الگ

تیغ نگاہِ یار کو دیتے ہیں ہر گھڑی دُعا!
پارۂ دل جُدا جُدا لختِ جگر الگ الگ

حشر کو اس نے چن لیے داغؔ گناہگارِ عشق
تاڑ گئی ہزار میں اس کی نظر الگ الگ

مجھ سا نہ دے زمانہ کو پروردگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بیقرار دل

یہ صیدگاہِ عشق ہے ٹھہرائیے نگاہ
صیّاد مضطرب سے نہ ہوگا شکار دل

مشہور ہیں سکندر و جم کی نشانیاں
اے داغؔ چھوڑ جائیں گے ہم یادگار دل

بے قراری ہوئی آخر سببِ چارۂ دل

بن گیا ہولِ دل انجام کو گہوارۂ دل
کوئی جانے کہ خریدار نہیں چاہ نہیں
چلتے پھرتے ہی وہ کر لیتے ہیں نظارۂ دل

ہوا زمانۂ پیری عذاب میں داخل
جوان تھے تو جوانی تھی خواب میں داخل
کسے مجال جو دیکھے وہ حسن عالم سوز!
وہاں ہے برقِ تجلی حجاب میں داخل
اگر نہیں مے و مینا و ساقی و معشوق
بہشت بھی ہے جہانِ خراب میں داخل
یہاں ادائے خموشی کو ہم جفا سمجھے
وہاں جواب نہ دینا جواب میں داخل
پڑھی نماز جنازے کی میرے قاتل نے
گناہ کرکے ہوا ہے ثواب میں داخل
مقام اہلِ خرابات اور ہے زاہد

نہیں یہ لوگ جہانِ خراب میں داخل
گئے تھے داغ تلاشِ صنم میں کعبے کو!
خدا نے مفت کیا ہے ثواب میں داخل

وہ رندِ پاک مشرب و صافی نہاد ہوں
آتی ہے دُرد بھی مرے ساغر میں بن کے پھول
اے عندلیب کل یہ خوشی ہے نہ یہ بہار!
غافل نہ آج رنگ پہ رنگیں چمن کے پھول
اے داغ روشنی ہے خداداد طبع میں
بجھتے نہیں ہیں میرے چراغِ سخن کے پھول

وہ ہم نہیں تو رہا کون سے حساب میں دل
کہاں سے لائیں جو تھا عالمِ شباب میں دل
ازل کے روز سے کم بخت ہی عذاب میں دل
خدا نے مجھ کو دیا تھا بڑے عتاب میں دل

رہتا ہے روز اس سے ملاقات کا خیال
ہو جائے خواب کاش یہ دن رات کا خیال
اے داغؔ جو کہا ہے اُسے کر دکھائیں گے
انسان کیا وہ جس کو نہ ہو بات کا خیال

ڈرتے ہیں چشم و زلف و نگاہ و ادا سے ہم
ہر دم پناہ مانگتے ہیں ہر بلا سے ہم
مانگی نہ ہو گی خضر نے یوں عمرِ جاوداں!
کیا اپنی موت مانگتے ہیں التجا سے ہم
دیکھیں تو پہلے کون مٹے اس کی راہ میں
بیٹھے ہیں شرط باندھ کے ہر نقشِ پا سے ہم
مجبور اپنے شیوۂ شرم و حیا سے تم
ناچار اضطرابِ دلِ مبتلا سے ہم
گر تو کسی بہانے سے آجائے وقتِ نزع!
ظالم کریں ہزار بہانے قضا سے ہم

محشر میں بھی کسی کے اُٹھائیں گے ناز ہم
ایسے نیاز مند ہیں اسے بے نیاز ہم
چاہیں پئے نشاط سلیماں سے تخت و بخت
مانگیں مسیح و خضر سے عمر دراز ہم
دل سے موافقت ہے نہ دل بر سے اتفاق
بے لاگ ہیں کسی سے نہیں رکھتے ساز ہم
ہوگی فقط شریکِ دعا ایک بے کسی
میّت پر اپنی آپ پڑھیں گے نماز ہم
کیا کیا بہانے موت سے کرتے ہیں رات دن
تجھ سے زیادہ ہجر میں ہیں حیلہ ساز ہم
وہ دن گئے کہ داغ تھی ہر دم بتوں کی یاد
پڑھتے ہیں پانچ وقت کی اب تو نماز ہم

جس وقت آئے ہوش میں کچھ بیخودی سے ہم
کرتے رہے خیال میں باتیں اسی سے ہم

ہوتا ہے پر ضرور خوشی کا مآل رنج
رونے لگے اخیر زیادہ ہنسی سے ہم
نقشِ قدم پر آنکھیں ملیں مل کے چل دیے
کیا اور خاک لے گئے تیری گلی سے ہم
واقف رموزِ عشق و محبت سے داغ ہے
ملتا اگر تو پوچھتے کچھ اس ولی سے ہم

ستم رسیدوں میں لکھے گئے ہیں روزِ ازل
تمہارے چاہنے والے تمام نام بنام
گئے ہیں داغ وہاں چھپ کے دیکھئے کیا ہو
گنے گئے ہیں جہاں خاص و عام نام بنام

رشک سے غیروں کے جی کھوتے ہیں ہم
کیا بروں کی جان کو روتے ہیں ہم
جاں کنی اپنا ہے کام اے کوہ کن

عشق میں پتھر نہیں ڈھوتے ہیں ہم
دیکھ لیں گے فتنۂ محشر کو بھی
اب تو چادر تان کر سوتے ہیں ہم
داغ ہے کس کو میسّر دردِ عشق
رنج ہوتا ہے تو خوش ہوتے ہیں ہم

جھک گئے ہیں آج اک ساغر سے ہم — ہاتھ دھو بیٹھے ہیں کوثر سے ہم
قصدِ صحرا ہے دلِ ویراں کے ساتھ — اک بیاباں لیچلے ہیں گھر سے ہم
جب رگِ جاں سے کمی کرتا ہے خون — چھیڑ دیتے ہیں اسے نشتر سے ہم
کیا کہیں کس سے کہیں کس کے لیے — پھرتے ہیں چاروں طرف مضطر سے ہم
وہ ستمگر روبرو ہوگا تو داغ — کیا کہیں گے داورِ محشر سے ہم

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم
دل خون میں نہائے تو گنگا نہائیں ہم
ممکن ہے یہ کہ وعدہ پر اپنے وہ آبھی جائے

مشکل ہے یہ کہ آپ ہیں اس وقت آئیں ہم
تاثیر کو سلام کریں دونوں ہاتھ سے
جس وقت اپنے ہاتھ دعا کو اٹھائیں ہم
ہمسایے جاگتے رہے نالوں سے رات بھر
سوئے ہوئے نصیب کو کیونکر جگائیں ہم
یہ جان تم نہ لوگے اگر آپ جائے گی
اس بے وفا کی خیر کہاں تک منائیں ہم
یہ اور کوئے یار کے چکّر زہے نصیب
لیتے ہیں اپنے پاؤں کی اکثر بلائیں ہم
تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ
اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم

رخنہ گر یہ بُت ہوں یوں اسلام میں
دخل ہے کس کو خدا کے کام میں
جنگ ہے ایک ایک مے آشام میں
بچ رہی تھی کس کی جھوٹی جام میں
کوئے جاناں کی زمیں ہی فتنہ خیز
آسماں ہے مفت کے الزام میں

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
جس دن سے کچھ شریک ہوئی میری مشتِ خاک
اس روز سے زمیں پہ ستم آسماں کے ہیں
کیسا جواب حضرتِ دل دیکھئے ذرا!
پیغام بر کے ہاتھ میں ٹکڑے زباں کے ہیں
کرتے ہیں قتل وہ طلبِ مغفرت کے بعد
جو تھے دعا کے ہاتھ وہی امتحاں کے ہیں
ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر
دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

الٰہی کیا کریں ضبطِ محبت ہم تو مرتے ہیں
کہ نالے تیر بن بن کر کلیجے میں اُترتے ہیں
جفا پر جان دیتے ہیں ستم پر تیرے مرتے ہیں
یہ ناکامِ محبت سچ تو یہ ہی کام کرتے ہیں

نہ پوچھو کچھ مصیبت دردمندانِ محبت کی
خدا پر خوب روشن ہے گزر جسطرح کرتے ہیں

کوئی کہہ دے کہ تم نے دل لیا پھر دیکھیے کیا کیا
اچھلتے ہیں اکھڑتے ہیں پلٹتے ہیں مکرتے ہیں

زباں سے گر کیا بھی وعدہ تو نے تو یقیں کس کو
نگاہیں صاف کہتی ہیں کہ دیکھو یوں مکرتے ہیں

نہ پوچھو داغؔ ہم سے انتظارِ یار کی صورت
یہ آنکھیں جانتی ہیں خوب جو نقشے گزرتے ہیں

بےکسی صدمۂ ہجراں کی مجھے تاب نہیں
کاش دشمن ہی چلے آئیں جو احباب نہیں

بخت بیدار نہ یہ دیدۂ درباں یارب
چشمِ مشتاق کی تقدیر میں کیوں خواب نہیں

تجھ کو اے بختِ سیہ آگ لگا کر دیکھوں
شبِ ہجراں میں اگر جلوۂ مہتاب نہیں

نہ ملے مجھ کو مرے حال پہ رونے والے
چین کیسا کہ یہاں غم کے بھی اسباب نہیں
حالِ دل جس سے کہا اس نے کہا بس خاموش
داغ اِس درد کے سننے کی ہمیں تاب نہیں

بہت دُور ایسی قیامت نہیں — گر ان کو وعدے کی عادت نہیں
غمِ دو جہاں بھی ہے کافی مجھے — مگر آدمی کو قناعت نہیں
ہوا توبہ مے سے میں جاں بلب — عداوت ہے یہ ترکِ عادت نہیں
مزاج آپ کا ہے مزاج آجکل — پرائی طبیعت طبیعت نہیں

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں
باعثِ ترکِ ملاقات بتاتے بھی نہیں
سر اٹھاؤ تو سہی آنکھ ملاؤ تو سہی
نشۂ مے بھی نہیں نیند کے ماتے بھی نہیں
ہو چکا قطعِ تعلق تو جفائیں کیوں ہوں

جن کو مطلب نہیں رہنا وہ ستاتے بھی نہیں

کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری
نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

مجھ سے لاغر تری آنکھوں میں کھٹکتے تو رہے
تجھ سے نازک مری آنکھوں میں سماتے بھی نہیں

زیست سے تنگ ہو اے داغؔ تو جیتے کیوں ہو
جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

بت کو بت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں
ہم بھی دیکھیں تو اسے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

جو بھلے ہیں وہ بروں کو بھی بھلا کہتے ہیں
نہ برا سنتے ہیں اچھے نہ برا کہتے ہیں

بزمِ احباب دمِ ناب و وصالِ معشوق
اب کسی شے میں نہیں جس کو مزا کہتے ہیں

اس کے ہاتھوں سے یہی ذلت و خواری ہوگی

غیر اپنی تو خبر لیں مجھے کیا کہتے ہیں

شکوۂ ہجر پر اس شوخ نے لکھا مجھ کو
جو رہے دل میں کہیں اس کو جدا کہتے ہیں

ہیں گنہ گار اگر عشقِ مجازی ہے گناہ
ہیں خطاوار اگر اس کو خطا کہتے ہیں

نہیں ملتا کسی مضموں سے ہمارا مضموں
طرز اپنی ہے جدا سب سے جدا کہتے ہیں

شب وصل بھی لب پر آئے گئے ہیں
یہ نالے بہت منھ لگائے گئے ہیں

وہی راہ ملتی ہے چل پھر کے ہم کو
جہاں خاک میں دل ملائے گئے ہیں

گلے شکوے جھوٹے بھی تھے کس مزے کے
ہم الزام دانستہ کھائے گئے ہیں

نگہ کو جگر زلف کو دل دیا ہے
یہ دونوں ٹھکانے لگائے گئے ہیں

فرشتے بھی دیکھیں تو کھل جائیں آنکھیں
بشر کو وہ جلوے دکھائے گئے ہیں

مزہ جو چاہیے ان کے ستم میں خاک نہیں

جب آئے خاک اڑانے کہ ہم میں خاک نہیں
مرے غبار کی اٹکھیلیاں تماشا ہیں
ابھی فلک ہے ابھی ایک دم میں خاک نہیں
ہمیں تھے وہ جو کبھی تھے خزانۂ عرفاں
ہمیں ہیں اب کہ جو ڈھونڈو تو ہم میں خاک نہیں

کیا ماجرا کہوں دلِ امیدوار کا | اک آرزو ہزار مصیبت سے کم نہیں
خونِ جگر کمی نہ کرے گا تمام عمر | جو رزق مل گیا مری قسمت سے کم نہیں
دنیا میں ان بتوں نے جلایا ہے اس قدر | دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں
یہ نازیہ نگاہ یہ چھل بل یہ شوخیاں | تم اس سے بھی سوا ہو قیامت سے کم نہیں
تو نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب
ذرہ بھی ورنہ اس کی حقیقت سے کم نہیں

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں | تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں
ہمیں چشمِ بینا دکھاتی ہے سب کچھ | وہ اندھے ہیں جو جامِ جم دیکھتے ہیں

نہ ایسا ہے خواہش نہ اظہار مطلب
مرے منہ کو اہلِ کرم دیکھتے ہیں
پھرے بتکدے سے تو لے اہلِ کعبہ
پھر آکر تمہارے قدم دیکھتے ہیں

دیکھیں تو کیسے فتنے ہیں نیچی نگاہ میں
آئینہ رکھدے کاش کوئی ان کی راہ میں
تقدیر کو جب آگ لگاتا ہے سوزِ عشق
ہوتی ہے روشنی مرے بخت سیاہ میں
دل بھی کہیں جمے تو ہمارا قدم جمے
اک پاؤں بتکدے میں تو اک خانقاہ میں
محشر میں کس طرف سے یہ آنے لگی صدا
آنا ہو جس کو آئے ہماری پناہ میں
آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار
کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں
کیوں داغِ دہلوی کی زباں مستند نہ ہو
پیدا کیا خدا نے اسے تخت گاہ میں

میں نے چاہا جو تمھیں اس کا گنہ گار تو ہوں
مگر اتنا تو سمجھ لو کہ وفادار تو ہوں

عمر بھر آپ نے مجھ کو کبھی اچھا نہ کہا
خیر اچھا نہ سہی آپ کا بیمار تو ہوں

گو مرے پاس نہیں غیر متاعِ کاسد!
میں تماشائے اندازِ خریدار تو ہوں

تابِ نظارۂ انوارِ تجلّی نہ سہی
میری ہمت ہے کہ میں طالبِ دیدار تو ہوں

یا خدا پرسشِ اعمال کا دیتا ہوں جواب
بات کا ہوش کسے ہے ابھی ہوشیار تو ہوں

داغ مرنے نہیں دیتا مجھے رشکِ اغیار
ورنہ مر جاؤں ابھی جان سے بیزار تو ہوں

جل کے ٹھنڈے ہوئے ترے غم میں — ہم کو جنّت ملی جہنّم میں
کچھ ترا شوق کچھ تری حسرت — اور رکھا ہی کیا ہے اب ہم میں

چل گئی چال آپ کی ہم پر — سیدھے سادے تھے آ گئے دم میں
بزمِ دشمن میں کس طرح مرتا — موت آتی نہیں جہنّم میں
اب عنایت ہے کیوں خدا کے لیے — کون سی بات بڑھ گئی ہم میں
داغ کو وہ جلا کے کہتے ہیں — ہم نے روشن کیا ہے عالم میں

لب سے دشنام تو وہ دل سے دعا دیتے ہیں
گھول کر زہر مجھے آبِ بقا دیتے ہیں
دیکھ اے چشمِ گہربار ذرا اپنی طرف
دینے والے کہیں کیا گھر کو لٹا دیتے ہیں
کعبے والوں نے تو اے داغ دیا صاف جواب
اہلِ بت خانہ ہمیں دیکھیے کیا دیتے ہیں

مجھ کو ندائیں آتی ہیں کچھ مانگتا نہیں — اللہ کا ہے گھر کسی محتاج کا نہیں
مٹ جائے راہِ دوست میں کس طرح داغِ دل — تمغائے عشقِ یار ہے نقشِ پا نہیں
اک داغ رہ گیا ہے تو وہ بھی مٹا مٹا! — دل میں بہارِ عشق کی اب وہ فضا نہیں

قاتل سے کہہ رہا ہے مرا ہر دہانِ زخم
اے بندۂ خدا تجھے خوفِ خدا نہیں

کہاں کے رہے وہ محبت میں یارب
سہارے سے جو بے سہارے ہوئے ہیں
دن اچھے تھے جب تک مرے آشنا تھے
بُرے وقت میں سب کنارے ہوئے ہیں
پیا خونِ دل یا غمِ عشق کھایا
یوں ہی عاشقوں کے گزارے ہوئے ہیں
بگاڑے بگڑتے نہیں حُسن والے
یہ بندے خدا کے سنوارے ہوئے ہیں

وہ دُور بھی ہیں جب بھی تصور میں قریں ہیں
ہم بے خود و وارفتہ جو ہیں بھی تو نہیں ہیں
آئے بھی ہیں بیٹھے بھی ہیں جاتے بھی نہیں ہیں
مجھ پر یہ کرم اُن کے دمِ بازپسیں ہیں

کیوں کیجئے تحقیق کہ وہ برسرِ کیں ہیں
گر ہیں تو بلا سے ہیں، نہیں ہیں تو نہیں ہیں
سجدے سے درِ یار کے چمکی ہے یہ قسمت
کچھ خاک کے ذرے جو مرے زیبِ جبیں ہیں
اے بیخودیِ شوق ہماری ہے یہ ہستی
دنیا میں ہیں اس طرح کہ دنیا میں نہیں ہیں
ہم شکل ترا کوئی بھی دیکھا نہیں جاتا
ہم تو تری تصویر سے بھی چیں بہ جبیں ہیں
تکلیف محبت کی چھپائے نہیں چھپتی
صدمے ترے دل پر بہت اے داغِ حزیں ہیں

تری گلی کے مقابل جو لائیں جنت کو
مکاں مکاں سے کرے روکشی مکیں سے مکیں
علاج اور نہیں کوئی خوش نصیبی کا
نصیب ہو تو ملوں غیر کی جبیں سے جبیں

ہمارے دل پہ محبت کا نقش کندہ ہے
ملا سکے نہ سلیماں بھی اس نگیں سے نگیں
تمہارے سامنے یہ آئینے کی صورت ہے
کہ جس طرح سے کرے لاگ ہر حسیں سے حسیں

ساقیا تشنگی کی تاب نہیں — زہر دے دے اگر شراب نہیں
جزو میں کل کو دیکھتے ہیں ہم — کون سا ذرہ آفتاب نہیں
تم برا جان کر ہی مجھ کو کاش — یہ تو کہدو ترا جواب نہیں
ہو کے تو لاجواب آیا ہے — واہ قاصد ترا جواب نہیں
روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں — زندگی کا کوئی حساب نہیں

قدرت ہے یہ اس کی قدر انداز نظر میں
ہر تیر مرے دل میں ہے ہر تیر جگر میں
آزاد رہا جب تو رہی خانہ بدوشی
میں ہوں وہ مسافر مری منزل ہی سفر میں

فریاد سنے کون جہاں ہو یہ نزاکت
آواز سے اپنی بھی دھمک ہوتی ہے سر میں

عاشق کو نہ اچھے سے غرض ہے نہ بُرے سے
جو آنکھ میں کھپ جائے سما جائے نظر میں

یہ شوخیٔ رفتار نہیں بیٹھنے دیتی
فتنے بھی ہیں بے چین تری راہ گزر میں

اے آہ رسا جا کے مسافر کی خبر لے
نالے نے بہت دیر لگائی ہے اثر میں

مانا کہ لطف عیش میں ہے ہم مگر کہاں
کیا سوجھتا نہیں کہ پڑی ہے نظر کہاں

بھولا ہوں راہ فرط محبت میں دیکھئے
ہوتی ہے آج شام غریبی سحر کہاں

تھم تھم کے وار کر کہ مرا درد مٹ نہ جائے
جب میں نہیں تو لذتِ زخم جگر کہاں

آغاز شوق میں نہیں انجام کی خبر
اس مبتدا کی دیکھئے نکلے خبر کہاں

الفت جتائیے تو غلط جھوٹ نادرست
دل مانگئے تو کہتے ہیں کیسا کدھر کہاں

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں
توبہ، مے طہور میں ایسا اثر کہاں

میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ
ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت ادھر کہاں

میں نے پائی ہے جو اس تیغ ادا میں لذت
سامنے خضر و مسیحا کو بٹھالوں تو کہوں

جو گزرتی ہے مرے دم پہ نہ پوچھو مجھ سے
گالیاں عشق و محبت کو سنالوں تو کہوں

داغ پابند قفس ہوں نہیں کچھ کہہ سکتا
دام صیاد سے میں چھوٹ کے جالوں تو کہوں

دل رُبا جانتے دل لینے کے فن لاکھوں میں
ان کے انداز ہزاروں ہیں چلن لاکھوں ہیں
داغؔ دلّی سے نکل کر رہے سب کے دل میں
اس غریب الوطنی میں بھی وطن لاکھوں ہیں

کچھ آنے لگا جب سے اثر آہِ رسا میں
دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں
دیتے ہو مجھے گریۂ بے صرفہ کے طعنے
تم ڈوب نہ جانا عرقِ شرم و حیا میں
افسوس گلا کاٹ کے بھی مر نہ سکے ہم
مصروف رہے ہاتھ شبِ ہجر دعا میں
ہے بعد فنا بھی یہ تباہی کہ مری خاک
تھوڑی سی زمیں پر ہے بہت سی ہے ہوا میں
کب یہ دلِ وابستہ رہا بار نزاکت!
ہاں ایک گرہ اور بڑھی زلفِ دوتا میں

جوشِ گریہ سے یہ آنکھیں اب نہیں ہو گئیں
اب مری بینائیاں مشہورِ دوراں ہو گئیں

جب دیا اس نے دلاسا شب وقتِ خطر آ
دل کی وہ بے تابیاں سب راحتِ جاں ہو گئیں

شکوے غیروں کے اگر بے جا ہیں بیجا ہی سہی
اب تو یہ گستاخیاں تجھ سے مری جاں ہو گئیں

داغ اب یوسف کہاں لیلیٰ کہاں شیریں کہاں
جو حسیں شکلیں تھیں زیرِ خاک پنہاں ہو گئیں

دیر سے کعبے کو ڈرتے ہوئے ہم جاتے ہیں
دیکھ لیتا ہے جو کوئی وہیں تھم جاتے ہیں

خوفِ عصیاں ہے کہ مردوں نے کفن پہنا ہے
بھیس بدلے طرف ملکِ عدم جاتے ہیں

حضرتِ داغ یہ ہے کوچۂ قاتل اٹھیے
جس جگہ بیٹھتے ہیں آپ تو جم جاتے ہیں

دل کو بہلاؤں کہاں تک کہ بہلتا ہی نہیں
یہ تو بیمار سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں

ہیں تری راہِ محبت میں ہزاروں فتنے!
دیکھ مجھ کو بجز اس راہ کے چلتا ہی نہیں

خضر بھی تو اسی گرداب سے گھبراتے ہیں
ڈوب کر بحرِ محبّت میں اچھلتا ہی نہیں

چمنِ دہر میں یہ عاشقِ ناکام ترا!
وہ شجر ہے جو کبھی پھولتا پھلتا ہی نہیں

کس طرح دل خمِ ابرو سے نکالوں اے داغ
پڑ گیا پیچ کچھ ایسا کہ نکلتا ہی نہیں

حضرتِ دل آپ ہیں جس دھیان میں — مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں
جس نے دل کھویا اسی کو کچھ ملا — فائدہ دیکھا اسی نقصان میں
گر فرشتہ وش ہوا کوئی تو کیا — آدمیت چاہیے انسان میں
عشق جس کشتی کا تو ہے ناخدا — وہ نہ آئے کس طرح طوفان میں

دل کی قیمت اک نگہ ہے اے صنم   آگئے جو آئے ترے ایمان میں
کس نے ملنے کا کیا وعدہ کہ داغؔ   آج ہو تم اور ہی سامان میں

ایسی وحشت نہیں اپنی کہ ہو محتاج بہار
پہلے ہی چاک گریبان کیے بیٹھے ہیں
اب ہے کیا ہم ہیں جو لیگی نگہِ ناز تری
پہلے ہی جان کا نقصان کیے بیٹھے ہیں
حسرت و یاس و تمنا کے لیے اک دل تھا
ہم اُسے پہلے ہی ویران کیے بیٹھے ہیں
دیکھ اے دشمنِ ایماں کہ جفا پر تیری!
کس قدر صبر مسلمان کیے بیٹھے ہیں

سیکڑوں گرچہ ستم پر وہ ستم کرتے ہیں
لذتِ جور ہی کچھ ہے کم کرتے ہیں
جب سے لکھا ہے ترا عشق مری قسمت میں

ناز لکھے پہ مرے لوح و قلم کرتے ہیں
حضرتِ داغ کی بھی بات ہے دنیا سے نئی
آپ ہی روتے ہیں دل آپ ہی غم کرتے ہیں

کیوں قسم کھاتے ہو ہم جور سے باز آتے ہیں
ان فریبوں میں کہیں واقف راز آتے ہیں
یوں تو آفت ہے ہر انداز پری زادوں کا
وہ قیامت ہیں جنھیں راز و نیاز آتے ہیں
کچھ نہ پوچھو جو صدا آتی ہے میخانے سے
کبھی مسجد سے جو ہم پڑھ کے نماز آتے ہیں
ساتھ نواب کے حج کرکے پھرے ہم اے داغ
ہند میں دھوم ہے مہمان حجاز آتے ہیں

تم شہرت جمال سے کس جا کہاں نہیں
میں اضطراب دل سی جہاں ہوں وہاں نہیں

دُنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

اے موت تو نے دیر لگائی ہے کس لیے!
عاشق کا امتحاں ہے ترا امتحاں نہیں

ہاں شکوۂ فراق کا موقع ہے وصل میں
اس وقت پر رُکے تو ہماری زباں نہیں

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغؔ
اُردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

بدگمانی کیا بُری شے ہے کہ وعدے پر ترے
رات بھر پھرتی ہیں آنکھوں میں خیالی صورتیں

کیا کرے کیا ہو سکے کیوں آدمی گھبرا نہ جائے
پیش آتی ہیں محبت میں نرالی صورتیں

ہائے وہ دل جو کبھی مِل کے جُدا ہوتے ہیں

نہیں معلوم وہ کیا کرتے ہیں کیا ہوتے ہیں

قتل عاشق پہ جہاں عید منا کرتی تھی
اب وہاں ماتم ارباب وفا ہوتے ہیں

پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں اُن کی
قدر انداز کے کب تیر خطا ہوتے ہیں

عاجزی کو بھی مری جانتے ہیں دام فریب
التجا کرنے سے وہ اور خفا ہوتے ہیں

یہی ہوتے ہیں دل آزار و ستمگر معشوق
یہی بیمارِ محبت کی دوا ہوتے ہیں

اب کوئی تجھ سے آرزو ہی نہیں — اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں

ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو — فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں

جو ترے لطف سے نکل جائے — وہ مرے دل کی آرزو ہی نہیں

سادہ لوحی تو عشق میں دیکھو — جانتا ہوں کوئی عدو ہی نہیں

ناصحوں سے کلام کون کرے — اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں
کمی ہے کون سی یا رب ترے خزانے میں

جو ہو اجازتِ صیاد طاقتِ پرواز
قفس کو لے کے چلا جاؤں آشیانے میں

رقیب بھی تو اسے کان رکھ کے سنتے ہیں
عجب طرح کا مزا ہے مرے فسانے میں

سرِ نیاز کے جھکتے ہی آنکھ سے دیکھا
بھرا ہے جلوہ عجب تیرے آستانے میں

مآلِ کار خدا جانے داغؔ کیا ہوگا!
خدا سے کام پڑا آخری زمانے میں

شکر بھی ٹھہرا شکایت میں کروں تو کیا کروں
بات کرنی ہے قیامت میں کروں تو کیا کروں

التجائیں حسبِ قدر تھیں اس بت کافر سے کیں
اب خدا سے عرضِ حاجت میں کروں تو کیا کروں

جتنی باتیں کام کی تھیں کر گئے سب اہلِ عشق

تو گرفتارِ محبت میں کروں تو کیا کروں

پا برہنہ، دشت ویراں، دور منزل راہ سخت

تو بتا اے شامِ غربت میں کروں تو کیا کروں

ضبطِ غم بھی ناصحِ مشفق کیا دو چار دن

اور اے حضرت سلامت میں کروں تو کیا کروں

رکھ دوں گا داغدار جگر لالہ زار میں / اک نیا شگوفہ کھلے گا بہار میں

وحشت یہ ہے کہ دامنِ محشر کے واسطے / کرتا ہوں امتحانِ جنوں خارزار میں

انساں کیا وہ جبر جو دل پر نہ کر سکے / بے اختیاریاں ہیں مرے اختیار میں

مے خوار کی نگاہ نے ہنگامِ مے کشی / نشتر چبھو دیا رگِ ابرِ بہار میں

سفاک غمزہ، چور نگہ، آنکھ راہ زن / پھر آپ بھی شریک ہیں اس لوٹ مار میں

اے داغ جبر و صبر کا دعویٰ غلط غلط / عاشق کا دل رہا ہی کہیں اختیار میں

ابھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں / اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

دباؤ کیا ہی سنے وہ جو آپ کی باتیں   زمیں زادہ ہی داغ آپ کا غلام نہیں

دل لگی ان کی دل لگی ہی نہیں   رنج بھی ہے فقط ہنسی ہی نہیں
اڑ گئی یوں وفا زمانے سے!   کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں
جان کیا دوں کہ جانتا ہوں میں   تم نے یہ چیز لے کے دی ہی نہیں
لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد   ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں
ہم تو دشمن کو دوست کر لیتے   پر کریں کیا تری خوشی ہی نہیں
ہم تری آرزو پہ جیتے ہیں   یہ نہیں ہے تو زندگی ہی نہیں
دل لگی دل لگی نہیں ناصح   تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں
داغ کیوں تم کو بے وفا کہتا   وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں

اُس کا کوچہ ہے کہ ہے عرصۂ محشر یارب
سیکڑوں طالب دیدار چلے جاتے ہیں
ہم نہیں جانتے کچھ دیر و حرم کا رستہ
ہم مئے عشق میں سرشار چلے جاتے ہیں

اس طرح جاتے ہیں اس بزم میں دل کے ہاتھوں
کہ بندھے جیسے گنہگار چلے جاتے ہیں

حضرتِ دل کی قضا آئی ہے اس کوچہ میں
کہ یہ دوڑے ہوئے ہر بار چلے جاتے ہیں

داغ اس ضعف نے کی اپنی تو منزل کھوٹی
ہم رہے جاتے ہیں سب یار چلے جاتے ہیں

دنیا میں وضع دار حسیں اور بھی تو ہیں
معشوق اک تمھیں تو نہیں اور بھی تو ہیں

تیرے ہی در پہ حشر کا ہنگامہ ہے بپا
اس شہر میں ہر کانِ مکیں اور بھی تو ہیں

اے آہ اک فلک کو جلایا تو کیا ہوا
ایسے ہزار بر سرِ کیں اور بھی تو ہیں

کیا فرض ہے ملے تو یہ زاہد ہی کو ملے!
خواہانِ حورِ خلدِ بریں اور بھی تو ہیں

یہ رنج یہ الم ہو تو کیوں کر ہو زندگی
عاشق جہاں میں داغؔ خضر ہیں اور بھی تو ہیں

دل گیا، تم نے لیا، ہم کیا کریں — جانے والی چیز کا غم کیا کریں
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا — دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
دل نے سیکھا شیوۂ بیگانگی — ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں
ایک ساغر پر ہی اپنی زندگی — رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں
حیدرآباد اور لنگر یاد ہے — ابکے دلّی میں محرم کیا کریں
کہتے ہیں اہلِ سفارش مجھ سے داغؔ — تیری قسمت ہی بُری ہم کیا کریں

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں
چھڑا دے کوئی ہو اتنا خدا کے بندوں میں
اسی سے ہوتے ہیں انداز بے نیازی کے
جو ہے قدیم تمہارے نیاز مندوں میں
نکال لیتے ہیں رو رو کے ہم بھی دل کا بخار

جو بیٹھ جاتے ہیں دو چار دردمندوں میں
ہوئی ہے داغؔ محبت میں تھوڑی رسوائی
یہ منھ دکھانے کے قابل ہی بھائی بندوں میں

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں
بھیجے دیتا ہے انھیں عشق متاعِ دل و جان
ایک سرکار لٹی جاتی ہے سوغاتوں میں
ابرِ رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد!
خاک اڑتی ہوئی دیکھی نہ خراباتوں میں
وہ گئے دن جو رہی یادِ بتوں کی اے داغؔ
رات بھر اب تو گزرتی ہے مناجاتوں میں

موت زندہ چھوڑنے والی نہیں اس بلا سے کوئی گھر خالی نہیں
ہو گیا خود بیں ہر اک آئینہ گر یہ ہنر بھی عیب سے خالی نہیں

سکۂ حالی سے ہے لطفِ دکن گر نہیں حالی تو خوش حالی نہیں
تم نے جا دو گر اسے کیوں کہدیا دہلوی ہے داغ بنگالی نہیں

ان کو کہاں ہے صبر و تحمل عتاب میں
دم بھر کے بعد اور خط آیا جواب میں
کیوں فکر اس قدر ہے رقیبوں کے باب میں
اُن کے گنہ بھی ڈال دو میرے حساب میں
تم مجھ پہ جور کر کے پشیمان بھی نہیں
میں تم سے دل لگا کے پڑا کس عذاب میں
آنکھ اپنی بند ہوتے ہی پردے سے اُٹھ گئے
دیکھا تھا ہم نے خاک جہانِ خراب میں
اس نے بغیر خط کے پڑھے لکھدیا جواب
یہ بات بھی ہے لکھنے کے قابل کتاب میں
صوفی کو اجتناب ہے واعظ کو احتراز
کیا زہر گھل گیا ہے الٰہی شراب میں

کچھ ہوش ہو تو داغ کو سمجھائیں نیک و بد
ڈوبا ہوا ہے نشۂ جام شراب میں

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں
اُنکی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہم کلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

گر وہ نہ آئیں گے تو اجل آئے گی ضرور
تسکیں ملی ہوئی ہے مرے اضطراب میں

دُنیا کی باز پُرس سے اب تک نہیں نجات
الجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی حساب میں

پیرِ مغاں کی دل شکنی کا رہا خیال
داخل ہوا ہوں توبہ سے پہلے ثواب میں

کچھ شانِ مغفرت سے نہیں دُور زاہدو
ڈوبیں گناہ بادہ کشوں کے شراب میں

اے داؔغ کوئی مجھ سا نہ ہوگا گناہ گار
ہے معصیت سے میری جہنم عذاب میں

اس ادا سے وہ جفا کرتے ہیں
کوئی جانے کہ وفا کرتے ہیں

حسن کا حق نہیں رہتا باقی
ہر ادا میں وہ ادا کرتے ہیں

یہ بتاتا نہیں کوئی مجھ کو
دل جو آتا ہے تو کیا کرتے ہیں

اس نے احسان جتا کر یہ کہا
آپ کس منھ سے گلا کرتے ہیں

داؔغ تو دیکھ تو کیا ہوتا ہے
جبر پر صبر کیا کرتے ہیں

حالِ دل تجھ سے دل آزار کہوں یا نہ کہوں
خوف ہے مانع اظہار کہوں یا نہ کہوں

آخر انسان ہوں میں صبر و تحمل کب تک
سیکڑوں سُن کے بھی دو چار کہوں یا نہ کہوں

نام ظالم کا جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
آسماں کو بھی ستم گار کہوں یا نہ کہوں

نہیں چھپتی، نہیں چھپتی، نہیں چھپتی، الفت!
سب کہے دیتے ہیں آثار کہوں یا نہ کہوں
فکر ہے سوچ ہے تشویش ہے کیا کیا کچھ ہے
دل سے بھی عشق کے اسرار کہوں یا نہ کہوں
کہہ چکے غیر تو افسانے سب اپنے اپنے
مجھ کو کیا حکم ہے سرکار کہوں یا نہ کہوں
داؔغ ہے نام مرا برق طبیعت میری
گرم اس طرح کے اشعار کہوں یا نہ کہوں

خدا سے گفتگو ہے اور میں ہوں — کل اے بے مہر تو ہے اور میں ہوں
نکالوں چھان کر ساری خدائی — اب اس کی جستجو ہے اور میں ہوں
ملیں گے کل کہ وہ سمجھیں گے مجھ کو — کہا ہے داؔغ تو ہے اور میں ہوں

یا تو ایسی مہربانی مجھ پہ یا کچھ بھی نہیں
ابتدا ہی ابتدا تھی، انتہا کچھ بھی نہیں

دیکھ کر تصویرِ یوسف کہہ دیا کچھ بھی نہیں
آپ ہی سب کچھ ہیں گویا دوسرا کچھ بھی نہیں

تم اگر بیداد گر ہو تو خدا ہے دادگر
یہ نہ سمجھو پرسشِ روزِ جزا کچھ بھی نہیں

گر نہ ہو قدرِ وفا اپنی وفا ہے بے نشاں
ہم نے یہ مانا اگر ہے بھی تو کیا کچھ بھی نہیں

تو نے قسامِ ازل غیروں کو کیا کیا کچھ دیا
داغؔ ہے محروم اس کے نام کا کچھ بھی نہیں

تابِ نظارہ کسے دیکھے جو ان کے جلوے
بجلیاں کوندتی ہیں جب لبِ بام آتے ہیں

تو سہی، حشر میں تجھ سے جو نہ یہ کہوا دوں
دوست وہ ہوتے ہیں جو وقت پہ کام آتے ہیں

رہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

یہ ہوگا روزِ جدائی تمام بھی کہ نہیں
دکھائی دیگی کبھی اس کی شام بھی کہ نہیں
طریقِ عشق میں رہبر کی ہے تلاش مجھے
چلیں گے خضر علیہ السلام بھی کہ نہیں
فسانہ کہنے کو بیٹھا ہوں ان سے ڈرتا ہوں
تمام رات میں ہوگا تمام بھی کہ نہیں

نیند آئے جو کسی رات یہ ممکن ہی نہیں
مجھ پہ گزرے نہ قیامت وہ کوئی دن ہی نہیں
کون گردابِ محبت سے نکالے مجھ کو
آشنا کوئی مددگار و معاون ہی نہیں
دم شماری دلِ مہجور بری ہوتی ہے
جان کی خیر اسی میں ہے کہ تو گن ہی نہیں
کس بھروسے پہ دکھاؤں نگہِ یار کو دل
چور کا سارے جہاں میں کوئی ضامن ہی نہیں

کس کو اے داغؔ سنائیں غزل اپنی کہہ کر
میر و مرزا ہی نہیں، غالب و مومن ہی نہیں

وہ نہایت ہمیں مغرور نظر آتے ہیں
پاس بیٹھے ہیں مگر دُور نظر آتے ہیں

چاند سورج کو فلک اپنے لیے رہنے دے
ہم کو کیا کیا رخ پر نور نظر آتے ہیں

نہیں خم خانۂ عالم میں کوئی بھی ہشیار
ہم کو مخمور ہی مخمور نظر آتے ہیں

شکر کرتا ہوں انھیں دیکھ کے دشمن ہوں کہ دوست
مجھ کو دنیا میں جو مسرور نظر آتے ہیں

مر کے بھی داغ محبت کے نشاں کچھ نہ مٹے
داغؔ کے دل میں بدستور نظر آتے ہیں

باغ میں گل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
انگلیاں سرو اُٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

جیتے جی کون عیادت کے اٹھائے احسان
اس لیے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

دیر قاصد کو لگی اے دل مشتاق جمال
دیکھیے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

بیکڑوں دو قدم آگے ہیں جلو میں فتنے
ساتھ اک حشر کو لاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
کون آتا ہے بُرے وقت کسی پاس اے داغؔ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

مزے عشق کے کچھ وہی جانتے ہیں — کہ جو موت کو زندگی جانتے ہیں
جو ہے میرے دل میں انھیں کو خبر ہے — جو میں جانتا ہوں وہی جانتے ہیں
کہاں قدر ہم جنس ہم جنس کو ہے — فرشتوں کو بھی آدمی جانتے ہیں
نہیں جانتے اس کا انجام کیا ہے؟ — وہ مرنا مرا دل لگی جانتے ہیں
کہوں حال دل تو کہیں اس سے حاصل — سبھی کو خبر ہے سبھی جانتے ہیں
شب وصل لیں انکی اتنی بلائیں — کہ ہمدم مرے ہاتھ ہی جانتے ہیں
سمجھتا ہے تو داغؔ کو رند زاہد — مگر رند اس کو ولی جانتے ہیں

تجلی دیکھتے ہی حضرتِ موسیٰ کو غش آیا!
نہ نکلی بات بھی منہ سے یہ ہشیاروں کی باتیں ہیں

نہ کر عشق و جنوں میں گفتگو اے ناصحِ ناداں
ترا منھ ہے کہ تو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں

بتوں کی ایک چپ اے داغؔ لاکھوں کو ہراتی ہے
جسے سمجھے ہو خاموشی وہ عیاروں کی باتیں ہیں

خواب راحت سے وہ بیدار ہوئے ہیں کہ نہیں
فتنۂ حشر کے آثار ہوئے ہیں کہ نہیں

وعدۂ مہر و وفا یہ تو ہے معمولی بات
ہم سے کچھ اور بھی اقرار ہوئے ہیں کہ نہیں

میری آنکھوں سے ذرا دیکھیے اپنی قیمت
آپ بھی اپنے خریدار ہوئے ہیں کہ نہیں

اب ہے عنقا مرضِ عشق و محبت کی دوا
کبھی پہلے بھی یہ آزار ہوئے ہیں کہ نہیں

داغؔ اس فکر میں دن رات گھلا جاتا ہے
مجھ سے راضی مرے سرکار ہوئے ہیں کہ نہیں

تیری صورت کو دیکھتا ہوں میں
اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں میں

وہ مصیبت سنی نہیں جاتی
جس مصیبت کو دیکھتا ہوں میں

دیکھنے آئے ہیں جو میری نبض
ان کی صورت کو دیکھتا ہوں میں

شب فرقت اٹھا اٹھا کر سر
صبح عشرت کو دیکھتا ہوں میں

موت مجھ کو دکھائی دیتی ہے
جب طبیعت کو دیکھتا ہوں میں

دور بیٹھا ہوا سر محفل
رنگ صحبت کو دیکھتا ہوں میں

ہر مصیبت ہے بے مزہ شب غم
آفت آفت کو دیکھتا ہوں میں

نہ محبت کو جانتے ہو تم
نہ مروت کو دیکھتا ہوں میں

کوئی دشمن کو یوں نہ دیکھے گا
جیسے قسمت کو دیکھتا ہوں میں

جب ہوئی صبح آ گئے ناصح
انہیں حضرت کو دیکھتا ہوں میں

حشر میں داغ کوئی دوست نہیں
ساری خلقت کو دیکھتا ہوں میں

روح کو چین، ہجوم غم دلبر میں نہیں
صاحب خانہ کو آرام بھرے گھر میں نہیں
کس سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو

یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں

اے غمِ عشق نہ جانا مرے دل سے باہر!
ایسے مہمان کی توقیر کسی گھر میں نہیں

میں نے کیا جانیے کیوں سجدہ کیا اس بُت کو
جانتا ہوں کہ خدا اور ہے پتھر میں نہیں

غیر کے عیش سے جلتا ہے عبث تو اے داغ
اس کی تقدیر میں ہی تیرے مقدر میں نہیں

سپیے تھے اشک جو عشق نہاں میں
وہ چھالے بن کے پھوٹے ہیں زباں میں

کھُلے گر بال و پر ایکے تو صیاد!
قفس رکھا ہوا ہے آشیاں میں

مقدر نے دکھایا میں نے دیکھا
نہ تھا جو کچھ مرے وہم و گماں میں

کہا دل تھام کر اس سنگ دل نے

اثر ہے درد مندوں کی فغاں میں
سنا دے قصہ خواں ان کو مرا حال
لگا دے یہ بھی ٹکڑا داستاں میں
کہا سب نے کلام داغ سُن کر
غنیمت ہے یہ دم ہندوستاں میں

ناداں ہے دوست کچھ خبرِ نیک و بد نہیں
مجھ بے گناہ پر یہ ستم جس کی حد نہیں
ہم کس شمار میں رہے ہو کر خمیدہ پشت
یہ حرف ہمزہ وہ ہے کہ جس کا عدد نہیں
کیا فرض ہے کہ ہو بنی آدم ہی میں رقیب
شیطانِ روسیاہ بھی تو لا ولد نہیں
ہم کو ملے تو لطف رہے اے جناب خضر
گردش زدوں کو لذتِ عمرِ ابد نہیں
وہ امتحاں کریں تو سہی، سوزِ عشق کا

اے داؔغ داغِ دل سے زیادہ سند نہیں

سب لوگ جدھر وہ ہیں اُدھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں
اب اے نگہِ شوق نہ رہ جائے تمنّا
اس وقت اِدھر سے وہ اِدھر دیکھ رہے ہیں
نیرنگ ہے ایک ایک ترا دید کے قابل
ہم اے فلکِ شعبدہ گر دیکھ رہے ہیں
تکرارِ تجلّی نے ترے جلوے میں کیوں کی
حیرت زدہ سب اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں
آمد ہے کسی کی کہ گیا کوئی اِدھر سے
کیوں سب طرفِ راہ گذر دیکھ رہے ہیں
پڑھ پڑھ کے وہ دم کرتے ہیں کچھ ہاتھ پر اپنے
ہنس ہنس کے مرے زخمِ جگر دیکھ رہے ہیں
میں داؔغ ہوں مرتا ہوں اِدھر دیکھیے مجھ کو

منھ پھیر کے یہ آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

وہ میں اس بزم ہستی میں عزیز اہل محفل ہوں
ہزاروں جان کی اک جان لاکھوں دل کا اک دل ہوں
محبت کی نشانی دفتر عالم میں ہی مجھ سے
نہ کوئی مد زائد ہوں نہ کوئی حرف باطل ہوں
جسے میں راہ پر لاؤں مجھے وہ راہ پر لائے
کہیں میں ہادی منزل کہیں گم کردہ منزل ہوں

خدا کی شان کریمی کا پوچھنا کیا ہے
غضب تو یہ ہے گنہگار ہم تمہارے ہیں
برا نہ جان حسینوں کو مان اے واعظ
خدا گواہ یہ بندے خدا کو پیارے ہیں

کیا کہا پھر تو کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں

کیوں یہ کیا ہے خمِ گیسو میں اگر کچھ بھی نہیں
آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں
دل ہے سینہ میں نہاں دل میں نہاں کیا کیا کچھ
چھوڑنے کی تری دزدیدہ نظر کچھ بھی نہیں
اک جفا تیری جو کچھ بھی نہیں تو سب کچھ ہے
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں
ان کو بےتاب کیا کچھ نہ کیا نالۂ دل
یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یہ تو اثر کچھ بھی نہیں
لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے
بیکسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں
کچھ ہے یاں خاک تو اک جنبشِ دامن کے لیے
تیری موجوں کے لیے بادِ سحر کچھ بھی نہیں
دُھوم ہے حشر کی سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

کعبے جانا بھی توبت خانے سے ہو کر زاہد
دُور اس راہ سے اللہ کا گھر کچھ بھی نہیں

نصیبوں سے ملتا ہے دردِ محبت — یہاں مرنیوالے ہی اچھے رہے ہیں
جنھیں اس نے لکھا ہے حرفِ تسلّی — وہ کم بخت برسوں تڑپتے رہے ہیں
گئی داغؔ کے ساتھ مہرِ محبّت — فقط اب تو دعوے ہی دعوے رہے ہیں

کیا کہوں تجھ کو جو بے مہر و فسونگر نہ کہوں
جس کو دنیا کہے اس بات کو کیونکر نہ کہوں
دل کی تاکید ہے ہر حال میں ہو پاس وفا
کیا ستم ہے کہ ستم گر کو ستم گر نہ کہوں
چھیڑ کر حالِ عدو چھیڑ کے چپ ہو جاؤں
وہ کہیں پھر تو کہوں میں اسکو مکرر نہ کہوں
غیر کے واسطے دیدار بھی ہے داد بھی ہے
کس طرح گھر کو ترے عرصۂ محشر نہ کہوں

میری شامت سے کہوں آپ کا بگڑا ہے مزاج
اس کو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں
بات کہنے کا مزہ کیا، جو غلط تم سمجھو
گر یقیں ہو تو کہوں گر نہ ہو باور نہ کہوں
ابکے کچھ منھ سے نکالا، تو تمھیں جانو گے
داغ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

قیامت کی مری آہیں غضب کے میرے نالے ہیں
کلیجہ دیکھیے ان کا جو ان کے سننے والے ہیں
یہ عقدے ناخن تدبیر سے کھولے نہ جائیں گے
نکالے گا وہی قسمت میں جس نے پیچ ڈالے ہیں

کشتۂ یاس ہوں مقتول تمنا ہوں میں
اور اس زندگی عیش پہ مرتا ہوں میں
آپ کی جنبش لب نے تو کیا کام تمام

اسی اعجاز پہ کہتے تھے مسیحا ہوں میں
کچھ خبر ہی نہیں اللہ رے مری بے خبری

کس کا مشتاق ہوں میں کون ہوں میں کیا ہوں میں
آرزو بن کے رہا ہوں کہ نکالے نہ فلک

اس گلی میں ہمہ تن آج تمنّا ہوں میں
داغؔ کیا پوچھتے ہو، میں نہیں کچھ کہہ سکتا

خیر جس حال میں ہوں شکر ہے اچھا ہوں میں

جوانی کو ترسا کریں خضر آپ — پھریں گے قیامت کو حضرت کے دن
یہ ہے داغؔ کی عرض یا مصطفےٰ — نہ محروم ہوں میں شفاعت کے دن

برسوں ترساتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
اس تکلف سے وہ تکلیف ستم کرتے ہیں
اشک خوں خجلتِ عصیاں سے نہیں بے تاثیر
نارِ دوزخ کو یہ گلزار ارم کرتے ہیں

دل کو ہو لاگ تو ہو کچھ کسی صورت کا لگاؤ
لطف کیسا کہ وہ اب جور بھی کم کرتے ہیں

آپ کو دوست کے مرنے کی خوشی یاں یہ حال
کوئی دشمن بھی جو مرتا ہے تو غم کرتے ہیں

ہائے اس کشتہ کی تربت کا مقدر جس کو
سجدے سٹ مٹ کے ترے نقش قدم کرتے ہیں

ہمیں بدنام ہیں جھوٹے بھی ہمیں ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں

کر نہ لے اپنا ٹھکانا دشمن
دوست نادان ہے دانا دشمن

دیدۂ تر نہ بہانا آنسو
ڈھونڈتے ہیں یہ بہانا دشمن

دوست کو دوست نہ سمجھا تم نے
اور دشمن کو نہ جانا دشمن

تم سمجھتے ہو اسے یار قدیم
دل ہے اے داغ پرانا دشمن

دستِ گلچیں سے چھٹا آیا کفِ صیاد میں

ہیں گلِ بازی ہوس کیا اس گلشن ایجاد میں
کون سی خوبی نہیں تیرے قدِ آزاد میں

شاخ ہے کیا سرو میں طرّہ ہے کیا شمشاد میں
ناتوانی، ناتمامی، ناامیدی، نارسی

ہم نے بھر رکھا ہے کیا کیا دامنِ فریاد میں
ہے یہی ذوقِ اسیری تو اسیری ہو چکی

میں نہیں بھولا سمانے کا کفِ صیاد میں
حشر میں ان کا مرا اس دھوم سے ہوگا ملاپ

اہلِ محشر کو کٹے گا دن مبارکباد میں
عشق کے کوچے نے ہم کو وہ دکھایا ہے بہشت

حضرتِ آدم نے جو دیکھا نہ تھی یاد میں
میرے دل سے داغ پوچھے کوئی [illegible]

لطف تھا دونوں جہاں کا اک جہاں آباد میں

ہم دل کی بات دادرِ محشر سے کیا کہیں

یہ راز کہہ کے، اس بتِ کافر سے کیا کہیں
ہوتی صفائے دل تو بناتا نہ آئینہ
جوہر اس آئینے کے سکندر سے کیا کہیں
کہتے ہیں وہ کہو تو سہی دل کا حال کچھ
حیران ہم کھڑے ہیں گھڑی بھر سے کیا کہیں
کوئی کرے سوال تو کچھ دیجیے جواب
بت بن گئے جب آپ تو پتھر سے کیا کہیں
بے وجہ ان بتوں کی خموشی نہیں ہے داغ
کیا جانے کل یہ داورِ محشر سے کیا کہیں

دل کے سوا نہ کعبے میں ہے وہ نہ دیر میں
گر ہے تو بس یہیں ہے نہیں تو کہیں نہیں
کیا لطف دے رہی ہیں ادائیں عتاب کی
ہے موجِ بحرِ حُسن وہ چینِ جبیں نہیں
افسوس ہے کہ درد بھی اب چھوڑتا ہے ساتھ

یہ کبھی اخیر وقت کہیں ہے کہیں نہیں

معشوق بن کے چھوٹ گئے سب ستم شعار

یارب ستم رسید دل کی پرسش کہیں نہیں

چاک ہو پردۂ وحشت مجھے منظور نہیں
ورنہ یہ ہاتھ گریبان سے کچھ دور نہیں

وصل سے یاس ہوا ایسا دلِ مہجور نہیں
بت اگر دور ہے مجھ سے تو خدا دور نہیں

چھین لیں دل کو اگر وہ تو یہ مجبوری ہے
میں کہے جاؤنگا محتاج ہوں مقدور نہیں

لب تک آئی تھی شکایت کہ محبت نے کہا
دیکھ پچھتائیگا خاموش یہ دستور نہیں

رات دن نامۂ پیغام کہاں تک ہونگے
صاف کہہ دیجئے ملنا ہمیں منظور نہیں

محتسب مانعِ حلت ہے گمانِ مے سے
سونگھنے کو بھی میسر مجھے انگور نہیں

کیا کرے داغ کوئی اسکی محبت کا علاج
وہ کلیجا ہی نہیں جس میں یہ ناسور نہیں

چوٹ کھانا دلِ حزیں نہ کہیں
درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں

نہ کرو امتحان مہر و وفا
آئے اس جھوٹ پر یقیں نہ کہیں

قتل جس کا تمھیں ہے پیشِ نظر
وہ گنہ گار ہوں ہمیں نہ کہیں

موت اسی آستاں پر آ جائے　　صرفِ سجدہ ہو پھر جبیں نہ کہیں
ہے کدورت بھری ہوئی اس میں　　آسماں پر بھی ہو زمیں نہ کہیں
تیرے عاشق ہیں کافر و دیندار　　ایک ہو جائے کفر و دیں نہ کہیں
رشک یہ بھی ہے صبر پر میرے　　غیر کہہ بیٹھیں آفریں نہ کہیں
داغؔ پھر تاک جھانک کرتے ہیں　　اب گھرے اب پھنسے کہیں نہ کہیں

کھویا گیا ہوں دیکھ کے پیشہ نامہ بر کو میں
اپنی خبر کو جاؤں الٰہی کدھر کو میں
خاموش اب تو شکوۂ ہمسایہ نے کیا
پھر تو ہے آہِ نیم شبی اور سحر کو میں
تم تو وہ پارسا ہو کہ در تک کبھی نہ آؤ
آتا تھا منھ چھپائے کہیں سے سحر کو میں
دل دے کے ان کو اور بھی امید بڑھ گئی
جانا تھا یہ کہ چھوٹ گیا عمر بھر کو میں
بس جاؤ کیا کرو گے نظر سے جگر میں چھید

لو آؤ تم اِدھر کو کھڑے ہو اُدھر کو مَیں

اے داغ صبح حشر تھی صبح شب وصال
جب یہ کہا کسی نے کہ جاتا ہوں گھر کو مَیں

بھر دیں عجب ادائیں اس شوخ سیمتن میں
اک ٹیڑھ سادگی میں اک سیدھ بانکپن میں

یہ شوق خود نمائی کیا کچھ جنوں سے کم ہے
بے تاب تجھ کو لایا خلوت سے انجمن میں

خط کو کمر سے باندھا آخر تو بوجھ اٹھایا
میری زباں بھی رکھ لے اے نامہ بر دہن میں

خیال بعد فنا بھی ہے دوست دشمن کا
ہم آنکھ بند کیے ہر بشر کو دیکھتے ہیں

بتوں کے واسطے دنیا نہیں ہے جنت ہے
بہشت دیکھتے ہیں جس کے گھر کو دیکھتے ہیں

خدا کرے سرِ محشر وہ بت ہو بے پردہ
کہ ہم بھی دیکھتے ہیں سب کدھر کو دیکھتے ہیں
مقامِ رشک ہوا عرصۂ قیامت بھی
تجھی کو دیکھتا ہے جس بشر کو دیکھتے ہیں

یہ فتنہ آتشِ الفت کا پہنچے گا نہ محشر میں
لگی ہے آپ کے گھر سے بجھے گی آپ کے گھر میں
چلو کعبے ملے گی دولتِ وصلِ صنم تم کو
کمی کس چیز کی اے داغؔ ہے اللہ کے گھر میں

بتانِ ماہوش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں
ہزاروں داغ پنہاں عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں
شرر پتھر کی صورت ان کے آب و گل میں رہتے ہیں
ہزاروں حسرتیں وہ ہیں کہ رو کے سے نہیں رکتیں

بہت ارمان ایسے ہیں کہ دل کے دل میں رہتے ہیں
ہمیں دشوار جینا، عار تم کو قتل کرنے میں
بڑی مشکل میں رکھتے ہو، بڑی مشکل میں رہتے ہیں
کوئی نام ونشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارے دن
خبر ہے کیا انھیں کیونکر کٹے ہمارے دن
مجھے گزرتی ہے اک اک گھڑی قیامت کی
جو اس طرح سے گزارے تو کیا گزارے دن

ہم تو فریاد و فغاں آہ و بکا کرتے ہیں
جن سے کچھ ہو نہیں سکتا وہ دعا کرتے ہیں
کچھ تعلق تو ہے شکوۂ بیجا ہی سہی!
نہ کیا تم نے گلا اس کا گلا کرتے ہیں

ایک انداز سخن طرزِ شکایت ٹھہری
ہم جدا کرتے ہیں شکوے وہ جدا کرتے ہیں

کسی کی نرگس مخمور کچھ کہہ دے اشاروں میں
مزا ہے رات دن چلتی رہے پرہیزگاروں میں
اجل کا نام لیں، تقدیر کو روئیں، مجھے کوسیں
مرے قاتل کا چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں
خفا ہوتے ہو کیوں عہد وفا کے ذکر پر سچ ہے
نہ تم وعدہ خلافوں میں نہ ہم بے اعتباروں میں
غضب ہے اور بھی اس سادگی پر مرگئے لاکھوں
کہا تھا کس نے بن بیٹھیں وہ میرے سوگواروں میں
وہ ہے افسردہ دل عالم بجا ہے یہ اگر کہیے
کہ مُردے ہیں زمیں پر اور زندے ہیں مزاروں میں
کوئی جنت کا خواہاں ہے کوئی کوثر کا طالب ہے
اُڑا کرتی ہے بے پر کے ہمیشہ بادہ خواروں میں

جلانا داغ کا اچھا نہیں یہ دم غنیمت ہے!
کہ ایسا باوفا اک آدھ نکلے گا ہزاروں میں

کسی کا دل تو کیا شیشہ نہ ٹوٹا بادہ خواروں میں
یہ توبہ ٹوٹ کر کیوں جا ملی پرہیزگاروں میں
خوشی مرگِ عدو کی لاکھ غم سے ہو گئی بدتر!
مری آنکھوں نے دیکھا ہے کسی کو سوگواروں میں
دکھا دیں گے صفِ محشر میں ہم کتنے نکلتے ہیں
جو پوچھا اُس نے کوئی ہے مرے امیدواروں میں
تری برقِ تجلّی گر ٹھہر جاتی تو کیا ہوتا
کہ ان بے تابیوں پر لوٹ ہے امیدواروں میں
پڑا رویا کرے وہ داغ بیکس اس طرح تنہا
کہ جس کی رات دن ہنس کھیل کر گزری ہے یاروں میں

غرض نہیں ہے انہیں طور کی تجلی سے
جو خوش نصیب تری جلوہ گاہ دیکھتے ہیں
خدا کا خوف نہیں پر بتوں سے ڈرتا ہوں
گناہ گار نہ یہ بے گناہ دیکھتے ہیں
کچھ اس طرح سے وہ قاتل سوال کرتا ہے
ہمارے مُنھ کو ہمارے گواہ دیکھتے ہیں

سوز و گدازِ عشق کا لذت چشیدہ ہوں
مانند آبلہ ہمہ تن آب دیدہ ہوں
سرو سہی ہوں اور نہ شاخِ خمیدہ ہوں
تسلیم و راستی کے لیے آفریدہ ہوں
گر تو نہ ہو تو پھر کسی کا ڈر کا دل لگے
دوزخ میں آرمیدہ ارم سے رمیدہ ہوں
نازک مزاجیوں نے مجھے تجھ سا کر دیا
اے بے خبر میں اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہوں

افتادگی میں بھی نہ گئی اس کی جستجو !
گویا زمیں پہ سایۂ مرغِ پریدہ ہوں

اللہ رے کشاکشِ دیر و حرم کہ میں !
ظالم ہزار ہاتھ سے دامن دریدہ ہوں

اے آرزوئے تازہ نہ کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ
میں پائے شوق و دستِ تمنا بریدہ ہوں

صیاد پر ہوں بار تو ہوں باغباں کو خار
آزادِ دام و تا بہ چمن نارسیدہ ہوں

اے داغ جس کے واسطے روزِ جزا بنا !
وہ کون ہے؟ وہ میں ہی تو آفت رسیدہ ہوں

حشر میں اینڈتے ہوئے یارب — کس کے امیدوار پھرتے ہیں
بات پر اپنی جان دیدیں گے — قول سے جاں نثار پھرتے ہیں
صدقے ہوتے ہیں شمع رو اس پر — گرد پروانہ وار پھرتے ہیں
ہائے ان کا خرام مستانہ — پی کے جب بادہ خوار پھرتے ہیں

داغ کا ذکر سُن کے وہ بولے
ایسے انٹی ہزار پھرتے ہیں

بھولے بھٹکے جو تیرے گھر میں چلے آتے ہیں
اپنی تقدیر کے چکر میں چلے آتے ہیں

تجھ میں تاثیر ہو گر اے کشش دل کچھ بھی
تو وہ دوڑے ہوئے دم بھر میں چلے آتے ہیں

آپ حسرت ہیں نہ ارمان ہیں نہ ہیں سوز و گداز
کس لیے پھر دل مضطر میں چلے آتے ہیں

وحشت ایسی ہے کہ سایے سے بھی میں کہتا ہوں
آپ کیوں میرے برابر میں چلے آتے ہیں

داغ جا کر نہ پھرے سوئے عدم اپنے رفیق
ہم یہ سمجھے تھے کہ دم بھر میں چلے آتے ہیں

مقتضائے وقت کا پابند ہر حالت میں ہوں
ہیں زمیں پستی میں ہوں تو آسماں رفعت میں ہوں

ایک ہیں دل کے نہ ہونے سے ہزار آفت میں ہوں
غم میں ہوں ماتم میں ہوں حیرت میں ہوں حسرت میں ہوں

کیوں ہوا جاتا ہے دل پر ان بتوں کا اختیار
میں تو یا اللہ تیرے قبضۂ قدرت میں ہوں

جلوۂ دیدار کو ہے خودنمائی سے غرض!
اور میں کمبخت بے خود شوق کی حالت میں ہوں

وجہ تسکیں ہو گیا فرقت میں آخر اضطراب
اب تڑپنے کی نہیں طاقت بڑی راحت میں ہوں

شاہ میرا قدرداں احباب میرے مہرباں
میں دکن میں جب سے ہوں اے داغ اک جنت میں ہوں

لختِ دل کون سے دن پنجۂ مژگاں میں نہیں
میں نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

تیرے اقرار میں انکار، تری ہاں میں نہیں
عہد میں عہد یہ پیماں کسی پیماں میں نہیں

پہلے تھی دل میں کھٹک اب تو ہے رگ رگ میں کسک
چین اے درد تجھے بھی شبِ ہجراں میں نہیں

جلوۂ ہوش رُبا دیکھ لیا اے موسیٰ
ہاں تحیّر میں جو لذت ہے وہ عرفاں میں نہیں

ہم نہ تربت سے یہ کہتے تھے کہ مر جائیں گے
ہم نہ برسوں سے یہ سنتے تھے کچھ انساں میں نہیں

ہو جو نا تیر تو ہیرے کی کنی ہے قاتل!
کیا کروں اشک مرا تیرے نمکداں میں نہیں

رنگِ گل نغمۂ بلبل اثرِ بادِ بہار
جب سے ہم قید ہوئے کوئی گلستاں میں نہیں

بے شبابی کے سوا اور کوئی کیفیت
میری توبہ میں نہیں آپ کے پیماں میں نہیں

داغ ہم تربتِ مجنوں پہ چڑھاتے چادر

پہ یہاں تارِ کفن کو بھی گریباں میں نہیں

دل بے تاب کے تڑپنے سے آگئی جان جسمِ بے حس میں
ہائے کس طور سے بنے وہ کام ہو قدم دل کا درمیاں جس میں
ہم ستم سے بھی خوش ہیں اے ظالم! وہ ستم کوئی لطف ہو جس میں
مجھ کو دشمن سے کیا گلا اے داغ
اُنس پاتا نہیں ہوں مونس میں

یہ لوگ کیا اُسے رسوائے عام کرتے ہیں
مرے جنازے پہ کیوں ازدحام کرتے ہیں
کہاں وہ زہرہ جبیں داغ پاک باز کہاں
فرشتے پر بھی یہ لوگ اتہام کرتے ہیں

کیوں نا امید ہوں وہ خدا ہے بشر نہیں
فردوس واعظو کوئی قاروں کا گھر نہیں

وہ مستِ ناز ہو کہ کسی کی خبر نہیں
اپنے بھی حال پر تمھیں اب تو نظر نہیں

کیونکر یقین ہو کہ کیا دور غیر سے
ہم نے سنی ہے منھ سے ترے "عمر بھر نہیں"

بے شک تجھے ہے عشق ترا، پر خدا گواہ
جتنا ترے گمان میں ہے اس قدر نہیں

ثابت جو بغض و کیں ہو تو آجائے مجھ کو صبر!
پھر کیا ہے دل میں آپ کے یہ بھی اگر نہیں

اے داغ کب چھپائے سے چھپتا ہے آفتاب
شہرہ کہاں نہیں ہے تمھارا کدھر نہیں

اُدھر تو کوئی نہیں جس سے آپ ہیں مصروف
اِدھر کو دیکھیے ہم عرضِ حال کرتے ہیں

زبان قطع کرو دل کو کیوں جلاتے ہو
اسی سے شکوہ اسی سے سوال کرتے ہیں

ہزار کام مزے کے ہیں داغ الفت میں
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

زاہد نہ کہہ بُرے یہ مستانے آدمی ہیں
تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں
مے بوند بھر پلا کر کیا ہنس رہا ہے ساقی
بھر بھر کے پیتے آخر پیمانے آدمی ہیں
بن وہ بشر کہ مجھ سے ہر آدمی کو نفرت
تم شمع وہ کہ تم پر پروانے آدمی ہیں
غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجے
یہ دشمنی کریں گے بیگانے آدمی ہیں
ناصح سے کوئی کہہ دے کیجے کلام ایسا
حضرت کو تا کہ کوئی یہ جانے آدمی ہیں
شاباش داغ تجھ کو کیا تیغ عشق کھائی
جی کرتے ہیں وہی جو مردانے آدمی ہیں

میکشو مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں
تم پہ رحمت ہوئی توبہ پہ بلائیں آئیں

ناز ہے ان کو کرم پر کہ نہیں جس کا حساب
کس خطاوار کی گنتی میں خطائیں آئیں

داورِ حشر سے ابتک ہے امیدِ انصاف
کیا کریں گے جو پسند اُس کی ادائیں آئیں

جب ہوئی خاک مری جمع ترے کوچے میں
شرط باندھے ہوئے اڑ اڑ کے ہوائیں آئیں

دردِ دل کچھ نہ کھلا داغ مگر وقتِ اخیر
دادِ بیداد کی دو چار صدائیں آئیں

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

خبر سنکر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قیامت کی خلش آفت کی کاوش، قہر کی سوزش!

مرے دل میں تری حسرت ہے یا کانٹا ہے چھالے میں

ملے مجھ سے تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں

تمھیں ہو ماہِ کامل ہیں، تمھیں رہتے ہو لالے میں

یہ بجلی کی طرح تڑپے یہ بسمل کی طرح لوٹے

رہا تو کیا رہا گر دل رہا بےکار پہلو میں

اسے لائیں مجھے لے جائیں، یا پیغام پہنچائیں

یہ کیا کرتے ہیں سب بیٹھے ہوئے غمخوار پہلو میں

شوخی نے تیری کام کیا اک نگاہ میں

صوفی ہے بتکدے میں صنم خانقاہ میں

آنکھیں بچھائیں ہم تو عدو کی بھی راہ میں

پر کیا کریں کہ تو ہے ہماری نگاہ میں

بڑھتا ہوں آگے پوچھ کر اس سے مقام دوست

جو فتنہ مجھ غریب کو ملتا ہے راہ میں
دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تمھاری نگاہ میں
راتیں مصیبتوں کی جو گذری نہیں آج تک
ماتم کو آئی ہیں مرے روزِ سیاہ میں
تاثیر بچ کے سنگِ حوادث سے آئے کیا
میری دعا بھی ٹھوکریں کھاتی ہے راہ میں
کیسا نظارہ کس کا اشارہ کہاں کی بات
سب کچھ ہے اور کچھ نہیں نیچی نگاہ میں
اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر
جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں
جو کینہ آج ہے ترے دل میں ستم شعار
جا بیٹھا کل یہی تو دل دادخواہ میں
مشتاق اس صدا کے بہت دردمند تھے
اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

کر گزرتے ہیں ، ہو بُری کہ بھلی دل میں جو کچھ وہ ٹھان لیتے ہیں
اب بھی گر پڑکے ضعف میں نالے سا تواں آسمان لیتے ہیں
منزل عشق طے نہیں ہوتی ٹھیکیاں ناتوان لیتے ہیں
مستعد ہو کہ یہ کہو تو سہی! آئیے امتحان لیتے ہیں

داغ بھی ہے عجیب سحر بیاں
بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

اڑائی خاک تیری جستجو میں ہر کہیں برسوں
پھری ہے آسماں بن کر مرے سر پر زمیں برسوں
نہ آنکھوں کا اجارہ ہے نہ دل کا زور ہے اتنا
وہ خود مختار ہیں ٹھہریں کہیں دم بھر کہیں برسوں
یہیں رہنا، یہیں سہنا، یہیں مرنا، یہیں بھرنا!
یہی در ہے، یہی سر ہے گزاریں گے یہیں برسوں

دل ہی تو ہے نہ آئے کیوں دم ہی تو ہے بجائے کیوں
ہم کو خدا جو صبر دے تجھ سا حسیں بنائے کیوں

لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہیں تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزمِ جہاں میں آئے کیوں

جرأتِ شوق پھر کہاں وقت ہی جب نکل گیا
اب تو ہیں یہ ندامتیں صبر کیا تھا ہائے کیوں

رونے پہ میرے وہ ہنسیں رنج پہ میرے شاد ہوں
چھیڑ میں کچھ تو ہے مزہ ورنہ کوئی ستائے کیوں

فکر میں ہم تو رہ گئے اور وہ آج کہہ گئے
عیب نہیں تو رازِ دل ہم سے کوئی چھپائے کیوں

گو نہیں بندگی قبول پر ترا آستاں تو ہے
کعبہ و دیر میں ہے کیا خاک کوئی اڑائے کیوں

عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ ہوش و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں

تیری تلافیٔ جفا جب نہ ہو تا بروزِ حشر!

عاشق نامرادِ عشق اپنے کیے کو پائے کیوں
ہاں نہیں غیرتِ رقیب، خیر یں بے حیا سہی؟
جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں
پردۂ عشق ہو چکا، داغ یہی قرار تھا!
صبر پہ آہ آہ کیا، ضبط پہ ہائے ہائے کیوں

گلے ملا ہے وہ مستِ شباب برسوں میں
ہوا ہے دل کو سرورِ شراب برسوں میں
خدا کرے کہ مزہ انتظار کا نہ مٹے
مرے سوال کا وہ دیں جواب برسوں میں
نہ کیوں ہو ناز مجھے اپنے دل پہ اے ظالم
کیا ہے تو نے جسے انتخاب برسوں میں

کیا کہوں اللہ قدرت دے تو کیا پیدا کروں
پیشتر سب سے ترے دل میں وفا پیدا کروں

آفرینش سے مری کچھ اور مطلب تو نہ تھا
مدعا یہ تھا کہ پیدا کر کے ناپیدا کروں

غیر کو میرے جلانے کے لیے پیدا کیا
واں تو یہ تھا آدمی ہر کام کا پیدا کروں

روز اک دل میرے سینے میں خدا پیدا کرے
اور میں ارمان اس دل میں نیا پیدا کروں

ہائے کیوں آیا نہ صورت آفریں کو یہ خیال
آئیں گے کس کام یہ بت ان کو کیا پیدا کروں

یہ بتا دیتے ہیں دشمن کو بھی اکثر راہ دوست
خضر مر جائیں تو کوئی رہنما پیدا کروں

دل کو ہے اے داغ عمر جاوداں کی آرزو
میں کہاں سے چشمۂ آب بقا پیدا کروں

میں کہاں اور بزم خواب کہاں　　لائی ہے ہستی خراب کہاں
بات کرنی جسے نہ آتی ہو؟　　بات سننے کی اس کو تاب کہاں

رات اور رات بھی جدائی کی
اب نکلتا ہے آفتاب کہاں
ان سے کہدی ہے آرزو دل کی
اب مری بات کا جواب کہاں

جو پرزے ہوں نہ صحرا میں جو ٹکڑے ہوں نہ گلشن میں
گریباں میں گریباں ہی نہ وہ دامن ہے دامن میں
قیامت کی تجلی ہے تمہارے روئے روشن میں
مجھے ڈر ہے کہ دیکھو آگ لگ جائے نہ چلمن میں
غضب ہے داغ یہ دن رات یہ برسات یوں گذرے
کہاں وہ رشکِ گل جھولا جھلائیں جسکو ساون میں

موجود ہر جگہ ہے نہیں بے نشاں کہیں
وہ ہر کہیں ہی ڈھونڈئے اس کو جہاں کہیں
ایجاد اب ستم نہیں ہوتے یہ کیا ہوا
یارب بدل گیا تو نہ ہو آسماں کہیں

ٹھکرا کے اس نے قبر کو ہشیار کر دیا
مجھ کو خبر نہ تھی کہ مرا ہی نشاں کہیں
جتنے تھے راہ شوق میں ارمان سٹ گئے
منزل کہیں ہے دل ہی کہیں کارواں کہیں

رنج پر رنج دیے جاتے ہیں
اپنی کرنی وہ کیے جاتے ہیں
زخم اس تیغ کے ہیں دامن دار
کس سے بے چاک سیے جاتے ہیں
ہم تری بزم میں تنہا بیٹھے
خون کے گھونٹ پیے جاتے ہیں
ان کو حیرت ہے کہ عاشق کیونکر
ہم پہ مر مر کے جیے جاتے ہیں

میں تو ہر انداز معشوقانہ کا دیوانہ ہوں
گل پہ بلبل ہوں اگر تو شمع پر پروانہ ہوں
غفلت خوابیدگان خاک کے اڑتے ہیں ہوش
میں شراب بیخودی سے اسقدر مستانہ ہوں
مجھ سے اے گبر و مسلماں کس لیے اتنا تپاک

قابل مسجد نہ ہرگز لائق بتخانہ ہوں
میں اگر ہمدرد کے دل میں ہوں تو اک درد ہوں
بن زباں پر ہم زباں کے ہوں تو اک افسانہ ہوں
جس پہ عاشق ہے صبا اس خاک کا ذرہ ہوں میں
برق جس پر لوٹ ہے اس کھیت کا اک دانہ ہوں
وصل کی گرمی بھی ہے بار اپنی نازک طبع پر
شمع سے کافور ہو جاتا ہوں وہ پروانہ ہوں
ہے سراسر تیرگی لے داغ میری روشنی
گو چراغ خانہ ہوں پر آفتِ کاشانہ ہوں

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
بظاہر رہنما ہیں اور دل میں بدگمانی ہے
ترے کوچے میں جو جاتا ہے آگے ہم بھی ہوتے ہیں
بچاؤں پیرہن کیا چارہ گر میں دستِ وحشت سے

کہیں ایسے گریباں دامنِ مریم بھی ہوتے ہیں

کسی کا وعدۂ دیدار تو اے داغؔ برحق ہے؟
مگر یہ دیکھیے دل شاد اس دن ہم بھی ہوتے ہیں

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں — ناز والے نیاز کیا جانیں
جو رہِ عشق میں قدم رکھیں — وہ نشیب و فراز کیا جانیں
پوچھیے میکشوں سے لطفِ شراب — یہ مزہ پاکباز کیا جانیں
حضرتِ خضر جب شہید نہ ہوں — لطفِ عمرِ دراز کیا جانیں
جن کو اپنی خبر نہیں ابتک — وہ مرے دل کا راز کیا جانیں
کب کسی در کی جبہہ سائی کی! — شیخ صاحب نماز کیا جانیں
شمع رو آپ گو ہوئے لیکن! — لطفِ سوز و گداز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغؔ پر صدمے — آپ بندہ نواز کیا جانیں

پوشیدہ جب ہو راز کہ منھ میں زباں نہ ہو
ہم بات بھی کریں تو بغیرِ از فغاں نہ ہو

لے جائیں آہ مجھ کو مری بدگمانیاں
ظالم وہاں کہ تیرا پتا بھی جہاں نہ ہو

سارا جہان جان کو کہتا ہے بے وفا
مجھ کو یہ فکر ہے تمہیں جان جہاں نہ ہو

زاہد عذاب عشق صنم لطف حق سمجھ!
یعنی ہمیں عذاب یہاں ہو وہاں نہ ہو

تہمت کسی کو ظلم کی اے داغؔ کیوں لگائیں
شکوہ بتوں سے کیا جو خدا مہرباں نہ ہو

خاک کرتا ہے تغافل گرچہ ساری آرزو
اس پہ تجھ سے آرزو بل بے ہماری آرزو

ایک سے ہے ایک الفت میں گراں بارِ الم
دل ہے مجھ پہ بار تو ہے دل پہ بھاری آرزو

لطف حسن و عشق تو جب ہے کہ دل سے دل ملے
کچھ ہماری آرزو ہو کچھ تمہاری آرزو

سچ ہے تیری ہے آرزو مجھ کو — کہیں جینے دے یوں ہی تو مجھ کو
کل تک اسکی تلاش تھی لیکن — آج ہے اپنی جستجو مجھ کو
پہلے وہ تھا کہ تم نہ تھے آگاہ — اب وہ ہوں سن لو کو بکو مجھ کو

کیوں میری آہ سرد انہیں ناگوار ہو
یہ وہ ہوا نہیں جو کلیجے کے پار ہو
آسودگان خاک سے قاتل کو لاگ ہے!
اے سونے والو جاگ اٹھو ہوشیار ہو
اترا رہے ہیں حشر کو وہ تیرے لطف پر
ایسا غضب نہ اے مرے پروردگار ہو
وعدے سے پیشتر یہ دعا مانگ لیجئے
یارب مری قسم کا اسے اعتبار ہو
جھپکی جو آنکھ ہجر کی شب آئی یہ ندا
اے ننگِ عشق مر نہ گیا ہوشیار ہو

رگ جاں سے نزدیک ہے میری جاں تو
مگر پھر جو دیکھا کہاں میں کہاں تو

نکلتے ہی کہتا ہے غنچہ زباں سے
کہ اس باغ عالم کا ہے باغباں تو

حقیقت میں ہے ماسوا چیز ہی کیا
اِدھر تو اُدھر تو یہاں تو وہاں تو

نہ تو مجھ کو چھوڑے نہ میں تجھ کو چھوڑوں
وہیں تو جہاں میں وہیں میں جہاں تو

ہے تاک میں وزدیدہ نظر دیکھیے کیا ہو
پھر دیکھ لیا اس نے ادھر دیکھیے کیا ہو

پی ہم نے مے ہوش ربا اور بہت پی
سوچا نہیں کچھ نفع و ضرر دیکھیے کیا ہو

زاہد کو بڑا ناز ہے میکش کو بڑا عجز!
اللہ کو مقبول مگر دیکھیے کیا ہو

تجھ کو ہے قسم دردِ محبت مرے دل کی
تو چین نہ دینا کسی عنواں مرے دل کو

پھر حسرت و ارمان و تمنا بھی نہ ہوں گے
اے یاس نہ کر بے سروساماں مرے دل کو

کچھ دور نہیں بتکدہ کعبہ سمجھ لیں
کافر تری آنکھوں کو مسلماں مرے دل کو

اچھی کہی اچھا نہیں کچھ دل کا لگانا
یہ لگ گئی اے ناصح ناداں مرے دل کو

یا اس بتِ گم راہ کو لا راہ وفا پر
یا پھیر دے اے گردشِ دَوراں مرے دل کو

عشق تاثیر کرے اور وہ تسخیر بھی ہو
یہ تو سب کچھ ہو مگر خواہش تقدیر بھی ہو

تری بزم طرب و عیش کو لگتی ہے نظر
ہیں جہاں اور وہاں عاشق دلگیر بھی ہو

کوئی نادان ہوں یاروں کے کہے میں آؤں
جس کو تدبیر بتاتے ہیں وہ تدبیر بھی ہو

جب مقابل ہی نہ ہوں کس کو بناؤں اچھا
سامنے آپ بھی ہوں آپ کی تصویر بھی ہو

طمع زر ہی سے انسان کی مٹی ہے خراب
خاک میں ہم تو ملادیں اگر اکسیر بھی ہو

ہم باوفا ہیں یہ کسی نادان سے کہو
ایمان کی جو بات ہو ایمان سے کہو
تن تن کے آئینے سے کہی ہے جو تم نے بات
مجھ سے بھی اس ادا سے اسی شان سے کہو
کہتا ہوں حال دل تو وہ کہتے ہیں بار بار
کچھ ہوش سے حواس سے اوسان سے کہو
مشرب تمہارا عشق ہی ہم جانتے ہیں داغ
کافر سے تم کہو نہ مسلمان سے کہو

نالے کھینچیں گے اگر تاثیر الٹی ہو تو ہو
راست ہے تدبیر گو تقدیر الٹی ہو تو ہو

وہ بھی برہم ہیں مجھی رضی قتل کا ساماں درست
اب رواں گردن پہ گر شمشیر الٹی ہو تو ہو

کچھ خیالِ وصل سے اے دل نہیں ہوتا وصال

ہاں مگر اس خواب کی تعبیر الٹی ہو تو ہو
سیدھی سیدھی ہم تو باتیں ان کو لکھ بھیجیں کے داغؔ
واں الٹ پیچوں کی گر تقریر الٹی ہو تو ہو

اے فلک چاہیے جی بھر کے نظارا ہم کو
جا کے آنا نہیں دنیا میں دوبارا ہم کو
چل تو اے دل رہِ الفت میں کہیں راہ نما
مل رہے گا کوئی اللہ کا پیارا ہم کو
آپ سے اب نہ بنے گا کوئی سودا اپنا
پھیر دیجیے دلِ بے تاب ہمارا ہم کو
باتیں اس آئنہ رو کی بھی ہیں گویا کہ طلسم!
آج تو خوب ہی شیشے میں اُتارا ہم کو

یہ سن سن کے مرنا پڑا ہر کسی کو — نہیں مرتے دیکھا کسی پر کسی کو
خدا دے تو دے اپنا غم ہر کسی کو — کرے پر نہ مائل کسی پر کسی کو

یہ بجلی نہیں جس کی اک سیر کر لی — تڑپ جاؤ دیکھو جو مضطر کسی کو
نہ کر ناصحا ایسی دیوانی باتیں — یہ کیا کھینچ مارا جو پتھر کسی کو
بہت چھیڑ کر ہم کو پچھتایئے گا — ستاتے نہیں بندہ پرور کسی کو
یہ کہتی ہے اے داغؔ چتوں تمہاری
کہ تم چاہتے ہو مقرر کسی کو

دل دادِ خواہِ ظلم جو اے کینہ جو نہ ہو
کل عرصہ گاہ حشر میں پھر تو ہی تو نہ ہو
اے دردِ عشق خانۂ دل گھر ترا سہی!
آباد یہ مکان تو جب ہو کہ تو نہ ہو
کیا رشک ہے کہ طالب ہجراں ہوں اس لیے
جو مجھ کو ہے رقیب کو وہ آرزو نہ ہو
اک تیری دوستی سے ہوئی سب میں دشمنی
گر یہ نہ ہو تو کوئی کسی کا عدو نہ ہو
کافر خدا کرے کہ غلط ہو مرا گماں

جو میں سمجھ رہا ہوں وہ اے کاش تو نہ ہو

زلف وہ دام کہ جس دام سے آزاد نہ ہو
آنکھ وہ چور کہ جس چور کی فریاد نہ ہو

موت اس دن کو جو تجھ سے ستم ایجاد نہ ہو
میں تو مر جاؤں اگر لذتِ بیداد نہ ہو

بدگمانی بھی محبت میں بُری ہوتی ہے
وہ یقیں ہو، مجھے جس بات کی بنیاد نہ ہو

ہائے وہ دل وہ کلیجا میں کہاں سے لاؤں
وصل میں شاد نہ ہو ہجر میں ناشاد نہ ہو

محوِ آرایشِ زینت ہی رہے آٹھ پہر
تجھ کو اللہ کرے فرصتِ بیداد نہ ہو

ہے یہی حسن کی شہرت تو ہمارا ذمہ
کہ ترے کوچے میں اک شہر جو آباد نہ ہو

کوستے ہیں وہ الٰہی کہ دعا دیتے ہیں

داغ کو دیکھ کے کہتے ہیں یہ ناشاد نہ ہو

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھ کو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو
ل میں سو شکوۂ غم پوچھنے والا ایسا
کیا کہوں حشر کے دن یہ تو بتا دو مجھ کو

للہ رے "تلون" ابھی کیا تھے ابھی کیا ہو
شوخی ہو تو شوخی ہو، حیا ہو تو حیا ہو
ربا د کروں گا اسی کوچے میں وفائیں
کیوں رکتی ہے آگے مرے اے باد صبا ہو
ں دل سے مجھے لاگ ہی ہے مہر تو میں ہوں
تم شان وفا کان وفا جان وفا ہو
ریا و جگر، نغمۂ نَے نالۂ بلبل!
دل کش ہو، کسی طرح کی ہو، کوئی صدا ہو

کیا توبہ کروں عشق سے اے حضرتِ ناصح
ڈرتا ہوں کہ یہ بھی نہ شب غم کی دُعا ہو
اس بت سے بگاڑے نہ بن آئیگی تجھ سے داغ
کیا پیش چلے جس کا طرفدار خدا ہو

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو
کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو
ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجہ ہوگی
کوئی دن تذکرۂ اہل وفا ہونے دو
آنکھ ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی
دیکھ کر جلوہ مرے ہوش بجا ہونے دو
جب سُنا داغ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے
اس ستم گر نے اشارے سے کہا ہونے دو

چرخ سا اور سخی کون ہے دینے والا

مجھ کو دس بیس دیے داغِ الم ایک نہ دو
ہم نے کعبے میں بھی لاکھوں کی یہ صورت دیکھی
کرتے ہیں ہائے صنم ہائے صنم ایک نہ دو
داغ دلّی بھی کسی وقت میں یا جنت تھی
سیکڑوں گھر تھے وہاں رشکِ اِرم ایک نہ دو

خبر بھی ہے تمھیں شوخی سے تم ہر گام پر کیا ہو
یہاں کیا ہو، وہاں کیا ہو، اِدھر کیا اُدھر کیا ہو
زمانہ ہے، فلک ہے، مدعی ہے، انکے شکوے ہیں!
تمھیں اک فتنہ گر کیا ہو تمھیں بیداد گر کیا ہو
کسی کو بھی نہ دیکھا میں نے اپنے حال پر روتے
تجھے جو دیکھ کر خوش ہو وہ میرا نوحہ گر کیا ہو
نہیں ہے دردِ سر کا شکوہ حرفِ مدعا سن کر
بیانِ شوق اس سے بھی زیادہ مختصر کیا ہو

ہم تو مرتے ہیں ادا پر دلستاں ہو کوئی ہو
دوست دشمن مہرباں نامہرباں ہو کوئی ہو

اے فلک یہ کیا، ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہو گیا
غم ہو یا شادی ہو لیکن جاوداں ہو کوئی ہو

آشنا حرفِ تمنا سے ہو تو کیجے قلم!
میں نہیں کہتا کہ میری ہی زباں ہو کوئی ہو

میرے قصہ میں بُرائی کیا ہے سن تو لیجئے
خواب راحت سے غرض ہے داستاں ہو کوئی ہو

غیر اچھا میں بُرا سچے ہو تم جھوٹے نہیں
آدمی کا آدمی راحت رساں ہو کوئی ہو

بعد مجنوں داغ سے آباد ہے دشتِ جنوں
اس خرابے کے لیے بے خانماں ہو کوئی ہو

طریق عشق میں اے دل ہیں پیچ و خم سو سو
غلط پڑے ہیں یہاں خضر کے قدم سو سو

بہار خلد سے آباد تھا جہاں آباد
ہر ایک کوچے میں تھے گلشن ارم سو سو

نکلی فلک سے کب کسی مائل کی آرزو
پھر اس پہ آرزو بھی مرے دل کی آرزو
یوں آہ نارسا کو تمنائے عرش ہے
جیسے کسی غریب کو منزل کی آرزو
دل ہر طرف رہا نگراں بحر عشق میں
اس ڈوبتے کو رہ گئی ساحل کی آرزو
رتبہ کمال عشق کا حاصل نہیں ہوا
اب داغ کو ہے مرشد کامل کی آرزو

یارب پس فنا بھی رہے شرم بے کسی
یہ مشت خاک گرد رہ کارواں نہ ہو
اب اس نگاہ شرم میں وہ شوخیاں کہاں

وہ تیغ کیا چلے گی جو برسوں رواں نہ ہو

مجھے نکالنے آئے ہو اپنے کوچے سے
نکلنے والے کو دوزخ میں ڈالتے جاؤ
دکھائی دے گا کسی دن وہ دل کے آئینے میں
مگر یہ شرط ہے اس کو اجالتے جاؤ
متاعِ دل کا ہے بازار غور کے قابل
بُرے بھلے پہ نظر بھی تو ڈالتے جاؤ
علاج کرتے ہو اب دردِ عشق کا اے داغ
کہا تھا کس نے کہ یہ روگ پالتے جاؤ

نہ دنیا سے ملے راحت نہ تجھ سے چین اصلا ہو
مگر پھر یہ دعا دیتا ہوں تو ہو اور دنیا ہو
ترے دیدار کو بھی مجمع محشر ہی زیبا ہو
کہ جیسے دیکھنے والے ہوں ویسا ہی تماشا ہو

اگر غافل نہ ہوتے ہم تو کب کے مر چکے ہوتے
کسے یہ یاد کل کیا تھا کسے معلوم کل کیا ہو

ہوئی یہ انتظارِ یار میں ہر اشک کی صورت
جو تھم جائے تو پتھر ہو جو بہ جائے تو دریا ہو

اپنے دل کا حال ہے دم بھر میں کچھ دم بھر میں کچھ
آگ لگ جائے الٰہی اس امید و بیم کو
آج مجھ سے حضرت ناصح یہ جل کر کہہ گئے
آسماں سے اب فرشتے آئیں گے تعلیم کو
جب یہیں اے داغؔ وحشت ہے تو آسایش کہاں
جائے ہندوستان سے اب کونسی اقلیم کو

اپنے رونے پہ کچھ آیا جو تبسم مجھ کو
یاد نے اس کی کہا بھول گئے تم مجھ کو
جب سے آنکھوں میں سمائی ہیں وہ کافر نظریں

رات دن اپنی نظر سے ہے تو ہم مجھ کو
ہنستے ہنستے کبھی روتا ہوں تصور میں ترے
روتے روتے کبھی آتا ہے تبسّم مجھ کو
تم کہاں غیر کہاں جھوٹ غلط محض دروغ
خفقاں ہے یہ جنوں ہے یہ توہم مجھ کو
یا سنا دے مرے مطلب کی کوئی اے ناصح
یا یہ کہہ دے کہ نہیں تابِ تکلّم مجھ کو

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گُم مجھ کو
اور پھر ڈھونڈتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو
کیا کرے دیکھئے کوثر پہ مری تشنہ لبی
سوکھا جاتا ہے یہاں دیکھ کے قلزم مجھ کو
دیکھنا پیرِ مغاں حضرتِ زاہد تو نہیں
کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پسِ خم مجھ کو
میں بھی حیران ہوں اے داغؔ کہ یہ بات ہے کیا

وعدہ وہ کرتے ہیں آتا ہے تبسم مجھ کو

بنا لیں شرم آلودہ نگاہیں   تغافل میں یہ ہشیاری تو دیکھو
مٹا نقشِ وفا اس بت کے دل سے   ہماری گریہ وزاری تو دیکھو
بنا روزِ جزا جس کی سزا کو   مری قدرِ گنہ گاری تو دیکھو

جوہر دکھاؤں صاحبِ جوہر کے روبرو
ہے آئینہ کی قدر سکندر کے روبرو
حاصل ہوئی بھی عقل فلاطوں اگر تو کیا
چلتی نہیں کسی کی مقدر کے روبرو
اس بت میں اک خدائی کا جلوہ ہے ورنہ شیخ
سجدے کیے سے فائدہ پتھر کے روبرو

جو دل قابو میں ہو تو کوئی رسوائے جہاں کیوں ہو
خلش کیوں ہو تپش کیوں ہو قلق کیوں ہو فغاں کیوں ہو

مزہ آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت کا
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی برپا!
پوچھا تھا کہ تم آزردہ مجھ سے میری جاں کیوں ہو

بہت نکلیں گے روزِ حشر تیرے جور کے خواہاں
ستم کا حوصلہ دنیا میں صرف امتحاں کیوں ہو

یہ مصرع لکھ دیا ظالم نے میری لوحِ تربت پر
جو ہو فرقت کی بے تابی تو یوں خوابِ گراں کیوں ہو

انھیں کو رنجش بیجا ہے، لیکن ہے تو ہم سے ہے!
محبت گر نہ ہو باہم شکایت درمیاں کیوں ہو

خدا شاہد خدا شاہد ہے کیوں کہتے ہو وعدوں پر
خدا کو کیا غرض میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو

ملیں روزِ ازل ہم غم زدوں کو نعمتیں کیا کیا
دلِ بے تاب ماتم کو لبِ فریاد شیون کو

دم بسمل ہوئی کیوں دیر اتنی دم نکلنے میں
قضا کیا مژدہ پہنچانے گئی ہے میرے دشمن کو

تم آئینہ ہی نہ ہر بار دیکھتے جاؤ — مری طرف بھی تو سرکار دیکھتے جاؤ
بہار عمر میں باغ جہاں کی سیر کرو — کھلا ہوا ہے یہ گلزار دیکھتے جاؤ
تمھیں غرض جو کرو رحم پائمالوں پر — تم اپنی شوخی رفتار دیکھتے جاؤ
نہیں ہے یہ جرم محبت میں سب کے سب ملزم — خطا معاف خطاوار دیکھتے جاؤ
کوئی نہ کوئی ہر اک شعر میں ہے بات ضرور
جناب داغ کے اشعار دیکھتے جاؤ

لڑ گئی یار گلعذار سے آنکھ — اب نہیں جھینپتی ہزار سے آنکھ
کچھ وہ حیرت سے کچھ وہ حسرت سے — خوب بنتی ہے انتظار سے آنکھ
دید کا بھی ہے کیا بُرا لپکا! — نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ
اشک خونیں نے گل کھلائے ہیں — آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ
نشہ تیرا اتر گیا اے داغ
کھل گئی غفلتِ خمار سے آنکھ

جھگڑے گلے ہیں یوں تو بہت آدمی کیساتھ
یارب نہ ہو کسی کو محبت کسی کے ساتھ
جب یہ نہ ہو تو کیوں نہ ہو دنیا و دیں خراب
سارے لگاؤ رہتے ہیں دل کی لگی کے ساتھ

یارب ہمیں دے عشق صنم اور زیادہ
کچھ تجھ سے نہیں مانگتے ہم اور زیادہ
گھر بیٹھے کرے دل سے طواف اسکی گلی کا
جھگڑا ہے بس اے اہل حرم اور زیادہ
رہبر نے ترا کوچہ دکھا کر مجھے چھوڑا
آگے نہ بڑھا چار قدم اور زیادہ
وہ حال ہے میرا کہ عدو کہتے ہیں اُن سے
کرنا نہ خبردار ستم اور زیادہ
ہے دل میں کسی عالم تصویر کی تصویر
بس چھیڑ نہ کر، ناخنِ غم اور زیادہ

یاں تو نبلے جاتے ہیں عشقِ بتاں کے ساتھ
زاہد نبیڑ لیں گے وہاں کی وہاں کے ساتھ

پھونکا نہ دام کو نہ جلایا قفس مرا ؟
بجلی کی تیزیاں ہیں فقط آشیاں کے ساتھ

سب کو ہے تیری یاد کی لذت جدا جدا
دل کی ہے دل کے ساتھ زباں کی زباں کے ساتھ

زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے
یاں خم کے خم اڑا لئے ہیں پیرِ مغاں کے ساتھ

کیوں کرتے ہو دنیا کی ہر اک بات سے توبہ
منظور تو ہے میری ملاقات سے توبہ

کافر تری تقریر تو اچھی ہے کریں کیا
کرتے ہیں مسلمان بری بات سے توبہ

دل میں رکھتا ہے تجھے اے ماہ پیکر آئینہ

ہے تری تصویر اندر اور باہر آئینہ

ذکرِ یوسف سنتے ہی کیا جانے کیا آیا خیال
ہاتھ میں اس نے اٹھایا مسکرا کر آئینہ

جس سے جو کچھ بن پڑا ہی نام اسکا اسکے ساتھ
جام با جمشید نازد با سکندر آئینہ

ہم کو اس حیرت کدے میں کیوں نہ حیرانی رہے
آپ ہی آئینہ خانے میں ہی ششدر آئینہ

ذکرِ مے سے کس قدر آتی ہے سُرخی رنگ پر
حضرت واعظ رکھیں بالائے منبر آئینہ

یوں شبِ وعدہ رہی طالب دیدار کی آنکھ
جس طرح سوئے چمن مرغ گرفتار کی آنکھ

کیوں نہ پر خوں ہو ازل سے کہ ملا ہے مجھ کو
شیشۂ بادہ کا دل ساحر سرشار کی آنکھ

ٹپکی پڑتی ہے نگہ سے تری الفت اے داغ

کوئی چھبتی ہے محبت کی نظر پیار کی آنکھ

نہیں ہوتی بندہ سے طاعت زیادہ   بس اب خانہ آباد دولت زیادہ
محبت میں سو لطف دیکھے میں لیکن   مزہ دے گئی ہے شکایت زیادہ
مری بندگی سے مرے جرم افزوں   ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ
بہکتے نہ تھے داغ یوں گفتگو میں
مگر پی گئے آج حضرت زیادہ

دن گزرتے ہیں کس عذاب کے ساتھ   وہ زمانہ گیا شباب کے ساتھ
یاد آتی ہے جب تری شوخی   لوٹ جاتا ہوں اضطراب کے ساتھ

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
یارب کوئی آفت تھا محبت کا پتنگا
وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

گرتی تھی نشیمن پہ مرے کوند کے بجلی
صیّاد کے گھر آگ لگائی نہیں جاتی

دل میرا اسرا ہو کہ تہِ تیغ نہ اُف کی
اک پھانس کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی

مے پی تو سہی تو یہ بھی ہو جائیگی زاہد
کم بخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

اے داغ کہا حال دل اس دشمنِ جاں سے
ناداں ترے دل کی صفائی نہیں جاتی

مجھ کو جنت میں نہ راحت ہوگی — گر یہی دل یہی قسمت ہوگی
ترے ہاتھوں مجھے اے دردِ فراق — کبھی مرنے کی بھی فرصت ہوگی
اس بُرے حال پہ وہ کہتے ہیں — رنج و غم کی یہی صورت ہوگی
یا مری داد ملے روزِ جزا — یا قیامت پہ قیامت ہوگی

ایک میخانے سے اُٹھ کر اے داغ
کعبے جائیں گے جو وحشت ہوگی

مٹ جائے کوئی حسن سے شہرت ہو کسی کی
ماتم ہو کسی کا شبِ عشرت ہو کسی کی
انصاف اُسی روز تو ٹھہرا ہے ہمارا!
ایسا نہ ہو شرمندہ قیامت ہو کسی کی
راحت طلبی نے مجھے رکھا نہ کسی کا
طاعت کو کسی کی نہ اطاعت ہو کسی کی
آتا ہے مجھے نرگسِ حیراں سے یہی وہم
کم بخت کی آنکھوں میں حسرت ہو کسی کی

کام رُکنے کا نہیں اے دلِ ناداں کوئی
خود بخود غیب سے ہو جائیگا ساماں کوئی
برسوں امید شہادت میں جئے ہم اے خضر
تیغ سے بڑھ کے نہیں دم کا نگہباں کوئی
حسرتیں یوں تو محبت میں بہت ہوتی ہیں
دل میں رکھنے کا نکل آتا ہے ارماں کوئی

نظر آتا نہیں محفل میں کہیں پروانہ!
بن کے بیٹھا ہے کہاں شمع شبستاں کوئی

شکوۂ رنجش بے داد بھی کرنا قاصد!
مگر اتنا کہ نہ ہو جائے پشیماں کوئی

ان اچٹتی ہوئی باتوں کے نہیں ہم قائل
کرے انکار بہ اندازۂ پیماں کوئی

مٹ چکی ہے خلش دل مگر اب بھی اے داغ
پھانس کی طرح کھٹک جاتا ہے ارماں کوئی

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی — بڑا تیر مارا اگر آہ کی

خدا جانے کیا بن گئی دل پہ آج — صدا ہے جو اللہ اللہ کی

نہ لینے گئے بے وفا جان کر! — اگر جان بھی ان کے ہمراہ کی

وہ پیغام الفت کا منھ پھیر کر — وہ شرمیلی آنکھیں سحرگاہ کی

یہ سمجھائے دیتے ہیں اے داغ ہم
اطاعت کیے جاؤ تم شاہ کی

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی
کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی
وعدے کی رات کیوں نہ بہانہ کریں گے وہ
جب تک نہ ہو بہانہ قضا بھی نہ آئے گی
تم جانتے ہو آئے گی پھر یہ شب وصال
اے داغ مان جاؤ کہا بھی نہ آئے گی

مرے کلیجے میں لیتے ہیں چٹکیاں کیسی
وفا کے نام پہ کہتے ہیں وہ کہاں کیسی
بھرا ہوا ہے مرے دل میں اور کیا کیا کچھ
فغاں کو آپ لیے پھرتے ہیں فغاں کیسی
شباب آنے نہ پایا کہ عشق نے مارا
یہاں بہار کے لالے پڑے خزاں کیسی

افسوس ہے جو چاہیے آئی نہیں آتی
جاکر یہ وفا باز جوانی نہیں آتی

افسانہ مرا سُن کے وہ بولے تو یہ بولے
کچھ اپنی سمجھ میں یہ کہانی نہیں آتی

ہے مختصر اتنا ہی سخنِ عشق ہے تم سے
جھوٹی تو مجھے رام کہانی نہیں آتی

وہ شمع کی تعریف کریں بزم میں حسد حیف
اے آہ تجھے شعلہ فشانی نہیں آتی

ملولِ شبِ ہجراں سے نہ گھبراو دل بیتاب
اللہ کو کیا رات گھٹانی نہیں آتی

دل فکر کی دریا میں یہ جبتک ڈبوئے
شاعر کی طبیعت میں روانی نہیں آتی

اس داغ کو مُرجھائے ہوئے پھول سی پوچھو
پیری میں کسے یاد جوانی نہیں آتی

قاصد نے کہا سُن کے مرا حال پریشاں
بندے کو تو یہ مرثیہ خوانی نہیں آتی

اے داغ ڈرو اس لبِ اعجاز نما سے
کچھ کام وہاں سحر بیانی نہیں آتی

صبر میں بھی دل بیتاب کی ہمت دیکھی
کر لیا کام وہی جس کی ضرورت دیکھی

مُنہ دکھانے کی جگہ اب مجھے باقی نہ رہی
آئینہ دیکھ کے اس نے مری صورت دیکھی

کبھی کعبے میں نظر شانِ خدائی آئی

کبھی بت خانے میں اللہ کی قدرت دیکھی
عاشقوں میں کوئی بدبخت نہ دیکھا ایسا
جیسی فرہاد کی پھوٹی ہوئی قسمت دیکھی

پردے پردے میں محبت دشمن جانی ہوئی
یہ خدا کی مار کیا اے شوق پنہانی ہوئی
ابتدا سے انتہا تک حال ان سے کہہ تو دوں
فکر یہ ہے اور جو کہہ کر پشیمانی ہوئی
مجھ میں دم جب تک رہا مشکل میں تھے تیماردار
میری آسانی سے سب یاروں کی آسانی ہوئی
بزم سے اٹھنے کی غیرت بیٹھنے سے دل کو رشک
دیکھ کر غیروں کا مجمع کیا پریشانی ہوئی
میں سراپا سجدے کرتا اسکے در پر شوق سے
سر سے پا تک کیوں نہ پیشانی ہی پیشانی ہوئی
دل کی قلب ماہیت کا ہو اُسے کیونکر یقیں!

کب ہوا مٹی ہوئی ہے آگ کب پانی ہوئی

غم قیامت کا نہیں واعظ مجھے یہ فکر ہے
دین کب باقی رہا دنیا اگر فانی ہوئی

عرصۂ محشر میں تجھ کو ڈھونڈ لاؤں تو سہی!
کوئی چھپ سکتی ہے جو صورت ہو پہچانی ہوئی

بیکسی پر داغ کی افسوس آتا ہے ہمیں!
کس جگہ کس وقت اس کی خانہ ویرانی ہوئی

اللہ اللہ رے پریشانی مری
زلفِ جاناں بھی ہے دیوانی مری

اس گرفتاری پہ اپنی میں نثار
لو وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

روبرو اس بدگماں کے ذکرِ عشق
میرے آگے آئی نادانی مری

بن گیا کعبہ وہی میرے لیے
ٹک گئی جس در پہ پیشانی مری

روسیاہی کام آئی روزِ حشر
شکل زاہد نے نہ پہچانی مری

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

خوب تقدیر کی خوبی نے کیا ہے برباد
جا بجا مجھ کو لیے پھرتی ہے شہرت میری

حشر میں تجھ سا جفا کار، خدا سا منصف
دل سا انصاف طلب اور شہادت میری

تم نہیں غیر سہی، غیر نہیں چرخ سہی
اک نہ اک فتنہ لگا رکھتی ہے قسمت میری

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے!
آنکھ نرگس کی دہن غنچہ کا حیرت میری

کسک دل میں پھر چارہ گر ہو گئی | جو تسکیں پہر دو پہر ہو گئی
برے حال سے یا بھلے حال سے | تمھیں کیا ہماری بسر ہو گئی
جفا پر وفا تو کروں سوچ لو | تمھیں مجھ سے الفت اگر ہو گئی
جواب انکی جانب سے دینے لگا | یہ جرأت تجھے نامہ بر ہو گئی

میسر ہمیں خواب راحت کہاں ذرا آنکھ جھپکی سحر ہوگئی

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی
یہی کم بخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی

ہے سر ناز فروشی تو خریدار بہت!
بیچ ڈالو اسے، مل جائے گی قیمت اچھی

عیب بھی اپنے بیاں ہونے لگے آخر کار
ہوگئی ان کو برا کہنے کی عادت اچھی

حُسنِ معشوق سے بھی حسن سخن ہے کمیاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

عشق میں عیش کے بدلے یہ تباہی کیسی
پھنس گئی جان مصیبت میں الٰہی کیسی

دل نہیں مال تو اس کا تمھیں لالچ کیسا!
تم نہیں چور تو دزدیدہ نگاہی کیسی

مل گئی بے خودئ شوق سے راحت کیسی
ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

امتحاں اور جو باقی ہیں وہ یوں ہوتے ہیں
یہ بھی انداز ہے مجھ سے انھیں نفرت کیسی

ایک دل لاکھ خیال ایک نظر لاکھ جمال
کوئی دیکھے تو یہ وحدت میں ہے کثرت کیسی

اپنی آنکھوں میں سمایا ہے کچھ ایسا جلوہ
نہیں تمیز بری ہوتی ہے صورت کیسی

بے محل بات بھلی بھی تو بری ہوتی ہے
شکر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں شکایت کیسی

بندہ چاہے جو خدائی کوئی مل سکتی ہے
لوگ قسمت کو لیے پھرتے ہیں قسمت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغ
بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

طبع بگڑی ہوئی ظالم کی سنبھالی نہ گئی
جو گرہ دل میں پڑی پھر وہ نکالی نہ گئی

کام اے چرخ ہزاروں کے نکالے تو نے
ایک حسرت دلِ عاشق کی نکالی نہ گئی

یاد آتے رہے دُنیا کے حسیں شوخ و شریر
خلد میں بھی مری آشفتہ خیالی نہ گئی

خاک بھی اپنی رہی دوشِ ہوا پر ہی سوار
کبھی پستی کی طرف ہمت عالی نہ گئی

تا دمِ مرگ ہے بے مہر سے امیدِ وفا
داغ افسوس تری خام خیالی نہ گئی

آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی
آتی ہے تو آ کر یہ قیامت نہیں جاتی

جانے سے تو مہمان کی عزت نہیں جاتی
تو جاتی ہے یا لے ترے شب فرقت نہیں جاتی

دے گا نہ کوئی ٹھوکریں کھانے کی گواہی
ہمراہ مرے حشر میں تربت نہیں جاتی

سر جاتا ہے سر سے مرے سودا نہیں جاتا
دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی

کہتے ہیں مجھے دیکھ کے سب اہلِ محبت
اس طرح تو قابو سے طبیعت نہیں جاتی

فرہاد کے مرقد سے یہ آتی ہیں صدائیں
برباد کسی شخص کی محنت نہیں جاتی

اے داغ سلامت رہیں مہمان ہمارے
جو آتی ہے آفت کہ مصیبت نہیں جاتی

بات کرنی نہیں لے لیتی ہے چٹکی دل میں
یہ تو ہے آپ کی تصویر میں اک بات نئی

سر مرا کاٹ کے اے نامہ رساں لیتا جا
گرچہ بے کار سہی پر ہے یہ سوغات نئی

غیر نے کی جو برائی تو بھلائی ٹھہری
یہ ملی ہے عملِ بد کی مکافات نئی
داغ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا
جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

گرہ جو پڑ گئی رنجش میں وہ مشکل سے نکلیگی
نہ ان کے دل سے نکلیگی نہ میرے دل سے نکلیگی
کسی بدخو سے ہم کہنے چلے تھے مدعا دل کا
یہ کیا معلوم تھا آواز بھی مشکل سے نکلیگی
رموزِ عاشقی کو عاشقو تم داغ سے پوچھو
کہ باریکی ہیں باریکی اسی کامل سے نکلیگی

کر چکے آہ سحر بھی نالۂ شبگیر بھی
ہم نے دیکھا چوکتے یہ تیر بھی وہ تیر بھی
اس لیے وحشت میں ہم نے کر دیا ترک لباس

ہوگا جب دامن تو ہوگا کوئی دامنگیر بھی

دیکھ کر وہ داغؔ کی تصویر یہ کہنے لگے

آدمی اچھا ہے اچھی ہو اگر تقدیر بھی

بعد مردن بھی خیالِ رخِ قاتل ہے وہی

جس سے ہم آنکھ چراتے تھے مقابل ہے وہی

عشق کا کوئی نتیجہ نہیں جز درد و الم!

لاکھ تدبیر کیا کیجئے حاصل ہے وہی

مر گئے خسرو و جمشید سے میکش لاکھوں

رونقِ ساغر و آرائشِ محفل ہے وہی

انتظارِ نفسِ باز پسیں ہے ہر دم

سرِ منزل ہوں مگر دورئ منزل ہے وہی

شور اٹھتا بن ہر سو سے انا لیلیٰ کا

قیس گر دل کو سمجھتا کہ یہ محمل ہے وہی

خضر سے پوچھے کوئی عمرِ ابد کی تکلیف

زندگی نام ہے جس چیز کا قاتل ہے وہی

جو کہے داغ سیہ مست وہ لکھ لو دل پر!

اس خرابات میں اک مرشد کامل ہے وہی

رنج بھی اک طرح کا ہو تو رہے کچھ دل لگی

وہ مصیبت پھر نہ آئے جو مصیبت ہو چکی

ہم بدل جائینگے کیا قسمت بدل جائیگی کیا

جب نہ دنیا میں ہوئی عقبیٰ میں راحت ہو چکی

کثرت ناز و ادا نے صبر کی فرصت نہ دی

دوسری برپا ہوئی جب اک قیامت ہو چکی

کیا مزہ ہے ان کو اپنی شوخیٔ تقریر کا

جھک پڑے غیروں پہ جب مجھ پر عنایت ہو چکی

اس زمیں میں شعر کہنے کا مزہ پاؤگے داغ

اب تو جو ہونی تھی اے حضرت سلامت ہو چکی

خطائے عشق سے تو یہ نہ جیتے جی ہوگی　　ہزار بار ہوئی اور پھر وہی ہوگی
نصیب لذت آزار عشق ہو تو سہی　　یہ جانتا ہوں کہ مر مر کے زندگی ہوگی

تابِ نظارہ کسے کیا شکل دیکھوں یار کی
کوندتی رہتی ہے بجلی آتش رخسار کی

اس کی ناکامی کو یا میں جانتا ہوں یا خدا
وہ دعائے وصل جو میں نے ہزاروں بار کی

کیوں نہ جاتی آسماں پر آسماں سے عرش پر
کیا مری آہِ رسا بھی آہ تھی بیمار کی

دو قدم چل چل کے گرتے ہیں طریقِ عشق میں
ٹھوکریں ہیں منزلیں اس راہِ ناہموار کی

کان سننے کے لیے ہوں دل سمجھنے کے لیے
قلقلِ مینا میں ہے آواز استغفار کی

آرام کچھ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا

زیرِ فلک نہیں ہے تو زیرِ زمیں سہی
سجدے ہی کرتے جائیں گے ہم تیری راہ میں
ہے نقشِ پا سے عار تو نقشِ جبیں سہی
بے داد کرکے چاہتے ہو پھر جفا کی داد!
بہتر، بجا، درست، صحیح، آفریں سہی
بے دل لگی بھی داغؔ گزرنی محال ہے!
وہ دل نہیں سہی وہ تمنا نہیں سہی

یہ شکل اتحاد کی صورت میں رل گئی
تصویر آپ کی مری حیرت میں مِل گئی
دل کو ہے اضطراب نہ وحشت مزاج میں
آسایش ایسی کنج قناعت میں مل گئی
دُنیا میں جانتا ہوں کہ جنت ملی مجھے
راحت اگر ذرا سی مصیبت میں مل گئی
بیداد گر کو آئے گا بیداد کا مزہ

گرداد عاشقوں کو قیامت میں مل گئی

اے داغ شکر کر کہ شرف یاب تو ہوا

دل کی مراد حج و زیارت میں مل گئی

زہر بن کر دوا نہیں آتی مر رہا ہوں قضا نہیں آتی

نہیں آسان جان سے جانا مرتے مرتے قضا نہیں آتی

حرف مطلب کہا تو کیوں بگڑے بات کہنے میں کیا نہیں آتی

حور پر یہ طبیعت اے واعظ تجھ سے کہہ تو دیا نہیں آتی

تیرے عاشق کا ہائے عہد شباب

موت بے وقت کیا نہیں آتی

ہوش آتے ہی حسینوں کو قیامت آئی

آنکھ میں فتنہ گری دل میں شرارت آئی

عمر بھر اس کو کلیجے سے لگائے رکھا

تیرے بیمار کو جس درد میں لذت آئی

روٹھنا بھی تو ادا ہے وہ بناوٹ ہی سہی!

پیار پر پیار محبت پہ محبت آئی

یوں تو پامال ہوئے سیکڑوں مٹنے والے
پہلے گنتی میں جو آئی مری تربت آئی

حشر کا وعدہ بھی کرتے نہیں وہ کہتے ہیں
فرض کر لو جو کبھی بار قیامت آئی

آبِ بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی
پیری چلی نہ خضر علیہ السلام کی

ساقی نہ رسم ترک ہو شرب مدام کی
پہلے چھڑک زمین پہ قاضی کے نام کی

تیری ہی یاد ہے انھیں تیرا ہی ذکر ہے
دل اپنے کام کا نہ زباں اپنے کام کی

افسانۂ فراق میں گزری شبِ وصال
جب صبح ہو گئی تو کہانی تمام کی

چوٹ دل کی وہیں اُبھر آئی جب ہنسی آئی آنکھ بھر آئی
آئینہ کیوں نہ ہو جمال ترا اپنی صورت مجھے نظر آئی

صدمہ پہنچا جگر کا دل تک داغ
ایک کی چوٹ ایک پر آئی

تمکین جو اس کی شوخ نگاہی میں رہ گئی
کچھ دیر میرے دل کی تباہی میں رہ گئی
سیرِ مقامِ عشق تباہی میں رہ گئی
منزل کی آرزو دل راہی میں رہ گئی
پورا ہو کوئی کام مصیبت زدوں سے کیا
جو رہ گئی مراد تباہی میں رہ گئی
شیریں ادائی آپ کی میٹھی چھری سہی!
چل کر ہمیشہ تلخ نگاہی میں رہ گئی
اے داغ اہلِ قلعہ کا لٹنا تو درکنار!
تنخواہ بھی خزانۂ شاہی میں رہ گئی

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لیے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی
ترک بیداد کی تم داد نہ چاہو مجھ سے
کرکے احسان نہ احسان جتائے کوئی

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی
ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی
آرام طلب ہیں کرمِ عام کے طالب!
یوں مفت میں لٹتی نہیں بیداد کسی کی
بڑھتی ہے محبت کی اسیری میں اسیری
پوری نہیں ہوتی کبھی میعاد کسی کی
کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھیے تو کوئی
بےچین کیے دیتی ہے فریاد کسی کی

اس سے کیا خاک ہمنشیں بنتی   بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی

وہ بنی ابتدائے الفت میں دم پہ جو وقتِ واپسیں بنتی
تو نے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں ایک کی ایک سے نہیں بنتی
نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر کیوں تری چاند سی جبیں بنتی
میری صورت بنی تو خاک بنی سیرت اے صورت آفریں بنتی

بزمِ دنیا تھی قابلِ جنّت!
خوب بنتی اگر یہیں بنتی

ملتے ہی بے باک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی
پھر گئی پچھتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی
دوست دشمن کو بنایا ہے ترے انداز نے
سب کو پہچانا اگر تجھ سے شناسائی ہوئی
مجلسِ اہلِ عزا میں وہ مجھے روتے چہ خوش
دو گھڑی کو یہ بھی ان کی محفل آرائی ہوئی
ہائے دُنیا تو کہاں وہ پردہ پوشی اب کہاں
عرصۂ محشر میں رسوائی سی رسوائی ہوئی

دیکھ کر قاتل کی آمد داغ دل میں شاد شاد
اور غم خواروں کے مُنھ پر مردنی چھائی ہوئی

کس وجہ سے لب پر مرے فریاد نہ آتی
وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی
اے شعبدہ گر تجھ کو ہزاروں ستم آئے
اک طرز دل آزاری و بیداد نہ آتی
اک عمر سے ہوں نغمہ سرا کنج قفس میں
اب بھی مجھے دل داری صیاد نہ آتی
اس وحشتِ دل نے مجھے دیوانہ بنایا
پھر کس لئے تم تک مری فریاد نہ آتی
قسمت سے ملا مرگِ محبّت کا بہانہ
کیا موت تجھے اے دل ناشاد نہ آتی

ازل میں نسخ لکھ کر میرے غم کی   بُری حالت ہوئی لوح و قلم کی

حیا آمیز ہے طرزِ تغافل ستم میں بھی ادا ہے کس ستم کی
یہی ہے مختصر حال شبِ وصل خدا نے دن بڑھایا رات کم کی
جو یہ نکلا تو گویا جان نکلی بڑی دولت ہے دُنیا میں بھرم کی
کرے کس کس سے کوئی بدگمانی
وہاں ہیں سیکڑوں قسمیں قسم کی

فتنہ گر آنکھ تھی وہ زلفِ دوتا اور ہوئی
یہ وبالِ دل و جاں ایک بلا اور ہوئی
عاشقوں کا بھی وہ اندازِ طبیعت نہ رہا
پہلے کچھ اور تھی اب رسم وفا اور ہوئی
دل میں کچھ خارِ محبت کی ابھی سے ہے خلش
ہم کہاں اس کی اگر نشو و نما اور ہوئی
وہ یہ کہتے ہیں نئی بات نہیں رسم جفا
ہوتی آتی ہے ہمیشہ سے یہ کیا اور ہوئی
جرم پر جرم کروں دیں گے سزا کس کس کی

تھک نہ جائیں گے خطا پر جو خطا اور ہوئی

ہم سے برگشتہ کسی کی نظر ایسی تو نہ تھی
گرچہ تھی چشم تغافل مگر ایسی تو نہ تھی
وہی دل ہے وہی لب ہیں وہی اندازِ نیاز
جیسی اب ہے یہ دعا بے اثر ایسی تو نہ تھی
وصل کے ساتھ ہی جاتے رہے کیا لیل و نہار
شام ایسی تو نہ تھی وہ سحر ایسی تو نہ تھی
داغؔ صاحب کی محبت نہ چھپائے سے چھپی
ایسی مشہور ہوئی یہ خبر ایسی تو نہ تھی

فراقِ یار میں تسکیں دلِ بے تاب کو ہوتی
جو اپنے عیش سے فرصت مرے احباب کو ہوتی
نئی سیریں نرالے رنگ کیونکر دیکھتا کوئی
ہمیشہ کیوں نہ گردش عالمِ اسباب کو ہوتی

پسند آتی اگر اس شوخ کو اس دل کی بیتابی
یہ حسرت برق کو یہ آرزو سیماب کو ہوتی

پرسش جوان سے ظلم کی روزِ جزا ہوئی
اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ خطا ہوئی
جلوہ دکھا کے دیکھ لیا بزمِ ناز میں
وہ مر گیا وہ رُوح کسی کی ہوا ہوئی
کہتے ہیں وہ ہماری اطاعت کرے گا کیا
جس بندۂ خدا سے نہ طاعت ادا ہوئی
پوری ابھی سنی بھی نہیں تم نے داستاں
اک بات میں بگڑ گئے یہ بات کیا ہوئی

آئینے سے وہ کہتے ہیں تیری نظر ہوئی
اے چشم شوق اس کی تجھے بھی خبر ہوئی
گو عرضِ مدعا پہ زباں قطع کیوں نہ ہو

اب کیا چھپے گی وہ جو خطا عمر بھر ہوئی
محشر میں رازِ عشق خدا سے بھی یوں کہا
جس کی نہ کانوں کان کسی کو خبر ہوئی
میری بلا سے ٹوٹ کے پیکاں جو رہ گیا
حاصل مجھے تو لذت زخم جگر ہوئی

لذتِ سیرِ دگر چشمِ تمنا لے گی
ایک بار اَور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی
دل کا سرمایہ وہ دز دیدہ نظر کیا لے گی
اُتنا دینا بھی پڑے گا اُسے جتنا لے گی
شکوۂ دہر نہ بیدادِ فلک کی فریاد
حشر میں خلقِ خدا نام تمہارا لے گی
ایک مدت سے ہے برباد ہماری مٹی!
دیکھئے کب ترے دامن کا سہارا لے گی
دل سودازدہ آزار محبت لے گا

عقل دیوانی نہیں ہے جو یہ سودا لے گی
چارہ گر ہونگے تجھے کپڑے چھڑانے مشکل
آڑے ہاتھوں مری وحشت کبھی ایسا لے گی
نہ کریں میرے لیے حضرت ناصح تکلیف
خود طبیعت دل بیتاب کو سمجھا لے گی

مٹے داغ دل آرزو رہ گئی — چمن اُڑ گیا اور بُو رہ گئی
کہاں سے کہاں لیگیا ہم کو شوق — مگر رہ گئی جستجو رہ گئی
دکھا کر جھلک کون چلتا ہوا — نظر ڈھونڈھتی چار سو رہ گئی
بہت چل بسے یار لے زندگی — کوئی دن کی مہمان تو رہ گئی
چلے ہم تری بزم سے تشنہ کام — تمنائے جام و سبو رہ گئی
بہت اے شب غم بلائیں ٹلیں
خدا جانے کس طرح تو رہ گئی

طلب ہے چاہنے والوں سے امتحانوں کی
بُری بنی ہے خدا خیر کرلے جانوں کی

خدا کرے ابھی اے باغباں گرے بجلی
ترے چمن کو لگے آگ آشیانوں کی

یہ زہد آپ کا اے داغ سب ہے مکر و فریب
ہزار پھیریے تسبیح لاکھ دانوں کی

اک چیز ہے اس عالم ہستی میں بشر بھی
دنیا کا طلبگار بھی دُنیا سے حذر بھی

اللہ کرے ہو ترے دربان کو وحشت
میرا ہی گریبان بنے پردۂ در بھی

دل اس نے لیا مجھ کو ملی دولت دیدار
کیا لوٹ کا سامان اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

میں صبح شب وصل نہ دیکھوں اُسے جاتے
آنکھوں ہی میں آجائے سپیدیٔ سحر بھی

اس تیر کا زخمی ہے میرا دل بھی جگر بھی

اچھوں کی بڑی ہوتی ہے سیدھی سی نظر بھ
ہوتی ہے دعا کافر و دیندار کی مقبول
اللہ کی سرکار میں لٹتا ہے اثر بھ
کیا تیز روِ راہِ محبت ہے الٰہی
پیچھے رہی جاتی ہے مرے دل سے نظر ب
فرماتے ہیں وہ سنتے ہیں جب داغ کے اشعار
اللہ زباں دے تو زباں میں ہو اثر بھ

نہ شمشیر گھٹ گھٹ کر مری جانِ حزیں نکلی
تمنا آپ کے دل کی بھی نکلی یا نہیں نہ
نیاز و ناز و عشق و حسن دیکھا قیس و لیلےٰ میں
جو یہ صحرا نشیں نکلا تو وہ محمل نشیں نہ
ٹھکانا خانہ ویرانِ محبت کا کہاں ہوتا
نہ اس لائق فلک نکلا نہ اس قابل زمیں
اٹھے دستِ دعا کیا ضعف نے ایسا گھلایا ہے

جسے میں ہاتھ سمجھا تھا وہ خالی آستیں نکلی

کچھ تو لی زلف نے کچھ شب نے سیاہی تیری
بٹ گئی بختِ سیہ خوب تباہی تیری

دمِ اظہارِ محبت ٹھہر اے نالۂ دل
الٹی ہو جائے نہ کمبخت گواہی تیری

یوں تو اے ابر پتا بھی نہیں ملتا تیرا
توبہ کرتے ہی جھلکتی ہے سیاہی تیری

ڈرتے ڈرتے وہ مرا حالِ طبیعت کہنا
پردے پردے میں وہ دزدیدہ نگاہی تیری

جب کہی دار پہ منصور نے اپنی ہی کہی!
میں نے تا روزِ جزا بات نباہی تیری

نگہِ شوق بے اثر نہ ہوئی
تم کو پردے میں کیا نظر نہ ہوئی

ہم نے تقلید خضر کی لیکن
چلتے پھرتے بھی تو بسر نہ ہوئی

کبھی ان سے امید الفت ہے کبھی یہ فکر ہے اگر نہ ہوئی
خاکِ میخانہ تھی اسی قابل! یہ زمیں آسمان پر نہ ہوئی
ہے بہت طول مدعا افسوس! ساری دنیا پیام بر نہ ہوئی
ماتمِ غیر میں تمھیں دیکھا ورنہ یہ عید کس کے گھر نہ ہوئی
تارے گنتے ہو شام سے شبِ وصل کیا کروگے اگر سحر نہ ہوئی
شبِ فرقت کے جاگنے والے
ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی

ساقیا دے بھی مے روح فزا تھوڑی سی
بے وفا عمر کرے اور وفا تھوڑی سی
منصفی شرط ہے آخر کوئی کبتک بخشے
روز ہو جاتی ہے بھولے سے خطا تھوڑی سی
داغ یہ مے ہے یہ ساغر ہے کہاں کی توبہ
پی خدا کے لیے اے مردِ خدا تھوڑی سی

کب تک کھنچے رہو گے کبتک تنی رہیگی
کس کی بنی رہی ہے کس کی بنی رہیگی

لوٹیں گی وہ نگاہیں ہر کاروان دل کو
جب تک چلیگا رستہ یہ رہزنی رہیگی

ہر بندۂ خدا پر کب تک ستم رہے گا
یہ تیرے دل میں کافر کبتک ٹھنی رہیگی

تنگ آکے دل کے ہاتھوں چاہا تھا ہم نے مرنا
یہ کیا خبر تھی برسوں یہ جاں کنی رہیگی

اے داغ تیری صورت دیکھیں گے وہ نہ ڈر کر
چھائی ہوئی جو منھ پر یوں مردنی رہیگی

صلح میں تکرار باقی رہ گئی
کچھ کسر ہر بار باقی رہ گئی

مرحلے طے عشق کے اکثر ہوئے
منزل دشوار باقی رہ گئی

عشق کے زیرِ حکومت سب ہے
کون سی سرکار باقی رہ گئی

داغ کا دل ہو گیا دنیا سے سرد
گرمیٔ اشعار باقی رہ گئی

چھپائے سے نہ دامن چھپے چراغ کی لَو
لگی ہوئی مرے دل کی مگر نہیں چھپتی
یہ سیر ہے کہ دوپٹا اڑا رہی ہے صبا
وہ جب چھپاتے ہیں سینہ کمر نہیں چھپتی

مدت سے رسم مہر و وفا میں کمی تو تھی
آخر ترے زمانے میں متروک ہو گئی
برسات ہی میں مست ہے ارگن کی بھی صدا
کوئل کی کوک اس کے لیے کوک ہو گئی
اے داغ اب نہیں درم داغ بھی نصیب
دنیا فلک کے ہاتھ سے مفلوک ہو گئی

کیوں چاٹ نہ لوں خاک درِ یار ذرا سی
اکسیر ہے اکسیر کی مقدار ذرا سی
موسیٰ کو تو جب بھی نہ رہی تاب نظارہ

جھلکی تھی پئے طالب دیدار ذرا سی
اندیشہ ہے اک صاحب تقوی کی نظر کا
مے چھوڑ دیا کرتے ہیں میخوار ذرا سی
اس شانِ رحیمی نے بہت زور دکھایا
جس وقت جھکی چشم گنہگار ذرا سی

اس آزادی میں کیا وحشت کبھی تھی | مجھے اپنے سے بھی نفرت کبھی تھی
یہ تہمت رکھ کے ہم ان سے ملیں گے | ہماری آپ کی صحبت کبھی تھی
ہجوم غم سے اب تک مر نہ جاتا | مجھے مرنے کی بھی فرصت کبھی تھی
دکن میں آئے ہم ہندوستاں سے | تصور میں بھی یہ صورت کبھی تھی

آتے جاتے مری بالیں پہ قضا ہار گئی
آئی سو بار شب وعدہ تو سو بار گئی
اس قدر پاس ہوا عشق کی رسوائی کا
خاک بھی میری نہ اڑ کر سر بازار گئی

جان کیا رکنے کی شے ہے جسے ہم روک سکیں
نہ گئی آج اگر کل یہ چھلن ہار گئی

جب اٹھی کوچۂ جاناں سے قیامت کوئی
چلتے چلتے مرے دھمکانے کو للکار گئی

داغ خورشید قیامت نے قیامت کی ہے
آج کیا جانے کہاں اپنی شب تار گئی

پایاب ہے شناور دریائے عشق کو
اے بحر اصل کیا ترے جوش و خروش کی

دیکھا جمال یار سنی داستانِ عشق
دعوت یہ ساری عمر رہی چشم و گوش کی

صبا اٹھکھیلیاں کرتی ہے کیا کیا راہ میں ان سے
کبھی کاکل سے آ بیٹھی کبھی دامن سے جا لپٹی
قیامت تھک گئی جب اٹھتے اٹھتے میرے نالوں سے

تو آخر مضطرب ہو کر ترے قدموں سے جا لپٹی

کس وجہ سے لب پر مرے فریاد نہ آتی
وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی

اک عمر سے ہوں نغمہ سرا کنج قفس میں
اب بھی مجھے دلداری صیاد نہ آتی

قسمت سے ملا مرگ محبت کا بہانا
کیا موت تجھے اے دل ناشاد نہ آتی

اے شعبدہ گر تجھکو ہزاروں ستم آتے
اک طرز دل آزاری و بیداد نہ آتی

ہے فیض الٰہی میں کمی کونسی اے داغ
کیوں جوش پہ یہ طبع خداداد نہ آتی

کہنے دیتی نہیں کچھ منھ سے محبت تیری
لب پہ رہ جاتی ہے آآکے شکایت تیری

عدم آباد کو جاتے ہیں بشر خالی ہاتھ
مجھ کو ہے ناز کہ لیجاؤنگا حسرت تیری

کچھ بھی الفت نے تری دل میں نہ چھوڑا باقی

رہ گئی ایک تمنا ہی تمنا باقی

صبح ان مست نگاہوں کا نہ پوچھو عالم
جن میں ہو رات کا کچھ نشۂ صہبا باقی

سنگ میں لعل بنا عشق کی نیرنگی سے
خونِ فرہاد کا تھا کوئی جو قطرہ باقی

طرز قدسی میں کبھی شیوۂ انساں میں کبھی
ہم بھی اک چیز تھے اس عالمِ امکاں میں کبھی

رنج میں رنج کا راحت میں ہوں راحت کا شریک
خاک ساحل میں کبھی موج ہوں طوفاں میں کبھی

حضرتِ میں نے جو کیں جوشِ جنوں کی باتیں
ایسے نکلے کہ نہ آئے تھے بیاباں میں کبھی

اللہ اللہ رے نری شوخ بیانی اے داغ
سست اک شعر نہ دیکھا ترے دیواں میں کبھی

وہ نگہ راہ پر نہیں آتی نظر آتی نظر نہیں آتی

حضرتِ دل اور اُن سے حال کہیں   موت کہہ کر مگر نہیں آتی

ہمارے قتل کی تدبیر روز واں ٹھہری
یہ زندگی تو نہ ٹھہری بلائے جاں ٹھہری
ہزاروں دفن ہوئے مجھ سے مضطرب یارب
یہ کس طرح سے زمیں زیرِ آسماں ٹھہری
سرِ نیاز ہوا ٹھوکروں ہی میں پامال
جبینِ عجز مری سنگِ آستاں ٹھہری

کون تھا گرمِ عناں آج کہ جو خاک مری
شوقِ پا بوس میں گردِ سمِ شبدیز رہی
کوئی دیوانہ رہا کوئی رہا سودائی
بو تری زلف کی کیا کیا نہ جنوں خیز رہی
وائے بربادیٔ قسمت کہ گلی میں تیری
خاک ہو کر بھی رہے ہم تو ہوا تیز رہی

اک اشارہ میں یہ تا ملکِ عدم جا پہنچا
توسنِ عمر کو کیا حاجتِ مہمیز رہی
گو کہ تیزی ہے طبیعت میں تمھاری اے داغ
بات پر سامنے اس کے نہ کبھی تیز رہی

شوخی میں ان کی چھیڑ ہے کچھ اضطراب کی
گھر کر گئی دفا کسی خانہ خراب کی
غصّے نے اور رنگ ترا سرخ کر دیا
اچھی بنی بگاڑ میں صورت عتاب کی
اے دل کمی کرے نہ کہیں طولِ مدعا!
لینی ہے کل خبر مجھے روزِ حساب کی
اس روئے بے نقاب کا جلوہ ہوا نقاب
نکلی ہے رنگ رنگ سے صورت حجاب کی

جب پاؤں تھکے تو جستجو کی جب دل نہ رہا تو آرزو کی

ہم بادہ کشوں کی خاک سے بھی آئے گی صدا سبو سبو کی
جب تم نہ ملے تو دردِ دل نے اُٹھ اُٹھ کے اجل کی جستجو کی
کچھ کم نہیں قدرِ ناامیدی ہے یہ بھی ہزار آرزو کی

جانا تھا کہ ہے موت ہی آرامِ جدائی
واں تیرگیٔ گور ہوئی شامِ جدائی
مل جائے کوئی عاشقِ دیرینہ تو پوچھوں
کس طرح بسر کرتے ہیں ایامِ جدائی
ہے عالمِ دوری میں بڑا لطفِ تصوّر
اس واسطے ہوں بندۂ بے دامِ جدائی

جفا کی ان بتوں نے یا وفا کی دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی
شبِ اندوہ و غم کا پوچھنا کیا بنا کی جو مرے دم پر بنا کی
کھلا ان کی جفا کا کچھ نہ باعث مگر اتنا کہ ہم سے کیوں وفا کی
جوابِ قتل کیا قاتل نے سوچا کہ اس کو عید ہے روزِ جزا کی

مٹاؤں داغِ ہجراں دل سے کیونکر　　وہ پوچھیں گے نشانی میری کیا کی
پھر اس بُت پر فدا ہیں حضرتِ داغ　　قسم کھائی تھی کعبے میں خدا کی

منصفی دنیا سے ساری اُٹھ گئی　　اے بتو ایمان داری اُٹھ گئی
جب ہوا سجدہ میں اس بت کا خیال　　خود بخود گردن ہماری اُٹھ گئی
عشق نے بے باک آخر کر دیا　　اب وہ شرمِ آہ وزاری اُٹھ گئی
کس سے رکھئے داغ چشمِ دوستی　　اُٹھ گئی یاروں سے یاری اُٹھ گئی

مری ان کی بھری محفل میں ہو گی
زباں پر آئے گی جو دل میں ہو گی
جو تیرا جذبِ دل کامل ہے اے قیس
تو پھر لیلیٰ کہاں محمل میں ہو گی
نہیں شوخی سے خالی شرم اُس کی
قیامت پردۂ حائل میں ہو گی
عدم کے جانے والو سنتے جاؤ

یہ آسایش نہ اس منزل میں ہو گی
نہ آئے داغؔ تو اچھا ہے ورنہ!
بڑی ہل چل تری محفل میں ہو گی

تلاش انکو ہے میرے رازداں کی
نئی ترکیب نکلی امتحاں کی
کہاں لے چارہ گر دل میں حرارت
یہ گرمی ہے فقط ضبطِ فغاں کی
نہیں کچھ ہرزہ گو دیوانۂ عشق
سنو تو کہہ رہا ہے یہ کہاں کی
تمھیں سنواؤں کیونکر اسکی باتیں
مرے دل میں ہی کیفیت زباں کی
وہ سُن کر داغؔ کے اشعار بولے
خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

دل صاف نہ ہوگا تو کوئی بات نہ ہوگی
جھگڑے کی ملاقات ملاقات نہ ہوگی
اس بت کو ذرا دیکھ ہی لیں حضرتِ صوفی
دیکھے سے تو کچھ سلب کرامات نہ ہوگی

جہاں لگ گئی کارگر ہوگئی
مری آہ تیری نظر ہوگئی

نہ آئے محبت کے کوچے میں حضرت
خدا جانے کیونکر بسر ہوگئی

وہاں جھوٹے وعدہ پہ لب ہل گیا
توقع یہاں کس قدر ہوگئی

دکھادینگے اے دل تجھے روزِ حشر
کہ ساری خدائی ادھر ہوگئی

ہمیں مر گئے صدمۂ رشک سے
بڑی خیر اے فتنہ گر ہوگئی

کبھی یاس ہوتی نہ اپنی اُمید
تغافل سے تیرے مگر ہوگئی

دل کی لگی ہوئی بھی کوئی دل لگی ہوئی
بجھتی نہیں بجھائے سے ایسی لگی ہوئی

سلگائے سے سلگتی نہیں آگ عشق کی
ایسی کچھ آج کل ہے طبیعت بجھی ہوئی

کہتا ہوں آج اور نئی اپنی داستان
تم کو مزہ نہ دے گی کہانی سنی ہوئی

کی چھیڑ چھاڑ داغ نے تم سے برا کیا

اب درگزر کرو کہ خطا جو ہوئی ہوئی

ہر بات ہے شوخ فتنہ گر کی شوخی ہے مزاج میں نظر کی
سب اس کی نظر کو دیکھتے ہیں تعریف کریں مرے جگر کی
امید سزا میں رات دن ہیں گِنتا ہوں خطائیں عمر بھر کی
رہتی ہے برنگِ شمع مردہ وہ آہ کہ جان تھی اثر کی
کچھ صبر کیے سے بن نہ آیا یوں بھی تو بہت دنوں بسر کی
آنا نہ شبِ وصال اے مرگ مہمان ہے عمر رات بھر کی
اے داغ وہ لطف کیا کریں گے
احسان کیا جفا اگر کی

یہ نہ پوچھو کیوں یہ حالت ہو گئی خود بدولت کی بدولت ہو گئی
شاعروں کی بھی طبیعت ہے ولی جو نئی سوجھی کرامت ہو گئی
مان کر دل کا کہا پچھتائے ہم عمر بھر کو اب نصیحت ہو گئی
سُن کے حالِ دل تغافل دیکھنا کوئی یہ جانے ندامت ہو گئی
داغ کا دم ہے غنیمت بزم میں دو گھڑی کو گرم صحبت ہو گئی

کیا بھیڑ میکدے کے ہے در پر لگی ہوئی
پیاسو سبیل ہے سرِ کوثر لگی ہوئی

یہ کس کی لَو ہے اے دلِ مضطر لگی ہوئی
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

ناقوس بتکدے میں تو کعبے میں ہے اذاں
ہے یاد میرے دوست کی گھر گھر لگی ہوئی

جب میں نے آہ کی ہے قیامت اٹھائی ہے
آواز پر ہے شورشِ محشر لگی ہوئی

گر زندگیٔ خضر و مسیحا ہوئی تو کیا
ہے موت سب کے ساتھ برابر لگی ہوئی

رکھے قدم سنبھل کے رہِ عشق میں وہی
آگے بھی جس کو ہو کوئی ٹھوکر لگی ہوئی

میں آشنا نہیں بتِ ناآشنا سے داغ
تہمت یہ مفت کی ہے مرے سر لگی ہوئی

طبیعت کوئی دن میں بھر جائیگی چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائیگی
رہینگی دمِ حشر تک خواہشیں یہ نیت کوئی آج بھر جائیگی
شب وعدہ آجاؤ ورنہ قضا مرے سر پہ احسان دھر جائیگی
محبت میں اے دل نہ ڈر سر پہ کھیل وہ بازی نہیں ہے کہ ہر جائیگی
کہوں گو نہ میں حشر کو تیرے ظلم یہ خلقِ خدا کیا مُکر جائیگی
رہے گا ترا جلوہ مدِ نظر جہاں تک ہماری نظر جائیگی
دیا دل تو اے داغ اندیشہ کیا
گزرنی جو ہو گی گزر جائیگی

داغ ہر چند جہاں گرد ہے سودائی ہے
آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدائی ہے
اور کیا خاک ملے گی دلِ بسمل کی مُراد
جو تماشا ہے جہاں کا وہ تماشائی ہے
شکوۂ ظلم پہ اول تو وہ خاموش ہوئے
پھر یہ جھنجھلا کے کہا کیا مری رسوائی ہے

مژدہ اس کو ہے جو ناکام ازل ہے تجھ سے
حسرت اس پر ہے جو کمبخت تمنائی ہے

آئے بھی تو وہ منہ کو چھپائے مرے آگے
اس طرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے
بجھتے ہوئے دیکھوں گا نہ میں دل کی لگی کو
کوئی نہ کبھی شمع بجھائے مرے آگے
دل میں نے لگایا ہے مگر دیکھیے کیا ہو
سب جھینکتے ہیں اپنے پرائے مرے آگے

نکل جائے یہ حسرت وہ نہیں ہے | بدل جائے یہ قسمت وہ نہیں ہے
دکھائے بت برہمن شیخ حوریں | پلٹ جائے یہ نیت وہ نہیں ہے
پکارا دیکھ کر میں حور کی شکل | خداوندا یہ صورت وہ نہیں ہے
ترا دل کیا ترے گھر میں بھی مجھ کو | ٹھہرنے دے یہ وحشت وہ نہیں ہے
گئی محفل کی رونق داغؔ کے ساتھ

وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

ایک طوفاں ہے غمِ عشق میں رونا کیا ہے
نہیں معلوم کہ انجام کو ہونا کیا ہے

ابرِ رحمت ہے اُدھر دیدۂ پُرنم ہے اِدھر
مشکل اس نامۂ اعمال کا دھونا کیا ہے

تم پہ مر جائیں گے اِس آس پہ ہم جیتے ہیں
زندگی شرط ہے تو جان کا کھونا کیا ہے

آشنا بحرِ محبت سے نکالیں نہ مجھے
ڈوبنے والے کو دشوار ڈبونا کیا ہے

چار باتیں بھی کبھی آپ نے گھُل مل کے نہ کیں
انہیں باتوں کا ہی رونا مجھے رونا کیا ہے

کاش مل جائے ترا سایۂ دیوار ہمیں!
اوڑھنا کیا ہے فقیروں کا بچھونا کیا ہے

اس کی ٹھوکر سے بھی کم بخت نہ جاگا افسوس
موت ہے داغِ سیہ مست کا سونا کیا ہے

نگاہِ شوخ جب اس سے لڑی ہے   تو بجلی تھرتھرا کر گر پڑی ہے
لہو کی بوند مژگاں سے جھڑی ہے   یہی گلزارِ دل کی پنکھڑی ہے
قیامت میں قیامت کر گیا کون
کہ دل تھامے صفِ محشر کھڑی ہے

نظر کعبے میں اس بُت پر پڑی ہے   کہاں جا کر مری قسمت لڑی ہے
وہی اک بات ہے لیکن تری بات   عدو سے نرم ہے مجھ سے کڑی ہے
جنازہ دیکھ لو عاشق کا در پر
سواری اس مسافر کی کھڑی ہے

وہ نیم وعدہ کر کے فراموش ہو گئے   امیدوار ہوش سے بیہوش ہو گئے
احباب کو جنازہ اٹھانا بھی بار تھا   ہم خاک میں ملے وہ سبکدوش ہو گئے
بگڑا مزاج ان کا تو محفل بگڑ گئی   سامان عیش اڑ کے مرے ہوش ہو گئے
ماتم ہے طفلِ اشک کا یا دل کا سوگ ہے   کیوں مردمانِ چشم سیہ پوش ہو گئے
اے داغؔ سب زمانۂ ماضی کے ذوق و شوق

یک بار دل سے محو و فراموش ہو گئے

برپا نہ ہو کیوں فتنہ ہر اک شوخ حسیں سے
ان پتلوں کی خلقت ہی قیامت کی زمیں سے

کھل جائے ابھی عالمِ بالا کی حقیقت
اس راز کو پوچھو جو کسی خاک نشیں سے

یہ رشک ہے مجھ کو کہ تری راہ گذر میں
نقشِ قدم اپنا بھی مٹاتا ہوں زمیں سے

سر کاٹ کے رکھ دوں گا رہِ دوست میں اپنا
سجدہ مجھے کرنا نہیں آتا ہے جبیں سے

برپا ہے ترے دل کی کدورت سے قیامت
یہ خاک مگر آئی ہے محشر کی زمیں سے

گر نام سے ہے داغ کے نفرت تو مٹا دو
عاشق کے دلِ گرم سے زاہد کی جبیں سے

گر ہو سلوک کرنا انساں کر کے بھولے		احسان کا مزا ہے احساں کر کے بھولے
اپنے کیے پہ نازاں ہو آدمی نہ ہرگز		طاعت ہو یا اطاعت انساں کر کے بھولے
اب یاد ہے اسی کی فریاد ہے اسی کی		سارے جہاں کو جس کا ہم دھیان کر کے بھولے

اے داغ اپنا احساں رکھے گا یاد قاتل
وہ اور میری مشکل آساں کر کے بھولے

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے
حشر کے دن بھی ہو شرح غم تمہارے سامنے
سب خدا کے سامنے ہوں ہم تمہارے سامنے
آہ لب پر آئے تھم تھم کر کہ تم گھبرا نہ جاؤ
درد دل میں ہو مگر کم کم تمہارے سامنے
حالِ دل میں کچھ نہ ہوتا بشر یہ ممکن نہیں
کوئی اتنا ہو کہے ہر دم تمہارے سامنے
مجھ کو اس سر کی قسم اب تک وہی ہے اضطراب

داغؔ مضطر کا جو تھا عالم تمہارے سامنے

چھوٹے ہزار مرتبہ قاتل کے ہاتھ سے
نکلے نہ ایک بار بھی ہم دل کے ہاتھ سے

ہے خطِ جادہ راہِ محبت میں تیغ تیز!
کٹتے ہیں پاؤں دوریٔ منزل کے ہاتھ سے

اے قیس گر صبا نے اڑایا تو حیف کیا!
اٹھا نہ پردہ صاحبِ محمل کے ہاتھ سے

اشک خوں رنگ لائے جاتا ہے
داغ اپنی جمائے جاتا ہے

کتنا باوضع ہے خیال اس کا
بیکسی میں بھی آئے جاتا ہے

دیکھنا رشک اس کی محفل کا
ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

آتشِ شوق کیا بجھے ناصح
تو پتنگے لگائے جاتا ہے

مانندِ برق شل ہوا صورتِ نگاہ　　اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے
دیوانگی میں بھی نہ گئیں اپنی شوخیاں　　گلشن میں پھول مانگتے ہیں عندلیب سے
جو دیکھتا ہے اس کو مجھے دیکھتا نہیں　　دنیا میں کون آنکھ ملائے غریب سے

اے ناصحِ شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ؟
ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

جنوں میں تن پہ لباس غبار باقی ہے
کب اپنے پاس کفن کو بھی تار باقی ہے

نہ دیکھی عیشِ گزشتہ کی پھر کبھی صورت
غلط کہ گردشِ لیل و نہار باقی ہے

دمِ اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ
کہ روسیاہ ابھی اختیار باقی ہے

کچھ لاگ کچھ لگاؤ طبیعت میں چاہیے
دونوں طرح کا رنگ محبت میں چاہیے

ہمت کا ہارنا نہ مصیبت میں چاہیے

تھوڑا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہیے
وہ ابتدائے عشق میں حاصل ہوئی تجھے

جو بات انتہائے محبت میں چاہیے
انسان عیش میں نہ مصیبت کو بھول جائے

دوزخ کی تاک جھانک بھی جنت میں چاہیے
اپنا بھی کام نکلے وہ ناراض بھی نہ ہوں

ایسے مزے کی بات شکایت میں چاہیے
خوں گشتہ آرزو بھی مرے ساتھ دفن ہو

تربت ایک اور بھی مری تربت میں چاہیے
حاتم کا دل ہو دولتِ قاروں ہو عمرِ خضر!

اے داغ یہ کسی کی محبت میں چاہیے

مزے فرقت میں تھے خونِ جگر کے — پیا ہم نے خدا کا شکر کر کے
وہ کیا دن قیامت کا کٹے گا — وہ کیسی رات ہو گی دن گزر کے
وہی پھر ولولے ہیں اور ہم ہیں — کہیں مٹتی ہیں یہ چوٹیں ابھر کے

جنابِ داغؔ اب سنبھلیں گے کیا خاک
کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں عمر بھر کے

دل بھی جگر بھی آتشِ غم سے جھلس گئے
مانندِ ابر ان پہ نہ آنسو برس گئے

کھوٹے کھرے کی عشق میں پہچان ہو گئی
اچھے ہم امتحاں کی کسوٹی پہ کس گئے

رہرو سے فرطِ شوق میں چھوٹا ہے قافلہ
ہم آگے آگے مثلِ صدائے جرس گئے

لکھیں جو اور کچھ یہ ہماری مجال کیا!
اتنا ہی لکھ کے بھیج دیا ہے ترس گئے

سب آئے اس کی بزم سے ان کا پتا نہیں
کیا جانے جا کے داغؔ کس آفت میں پھنس گئے

کس طرح کہوں قیس ترے دل کو لگی ہے
نالوں سے کبھی آگ بھی محمل کو لگی ہے

میں تیرے سوا اور نہ اللہ سے مانگوں
مدت سے یہی دھن ترے سائل کو لگی ہے

اے راہ نما راہ لے تو اور طرف کی
کچھ اور ہوا رہروِ منزل کو لگی ہے

انصاف سے دشمن نے کبھی حق میں ہمارے
اچھی بھی کہی ہے تو بری دل کو لگی ہے

مجبور ہوا شکر جفا سے بھی تو کمبخت
کیا موت کی ہچکی ترے بسمل کو لگی ہے

جب سے یہ سنا داغ نے کی عشق سے توبہ
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں کیا دل کو لگی ہے

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے
دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے

گھونٹ پی کر بادہ گلفام کے
بوسے لے لیتا ہوں خالی جام کے

جب قدم کعبے سے رکھا سوئے دیر
تار الجھے جامۂ احرام کے

نالۂ و فریاد کی طاقت کہاں
بات کرتا ہوں کلیجا تھام کے

خوگرِ بیداد کو راحت ہی موت بھاگتا ہوں نام سے آرام کے
ہے گدائے میکدہ بھی کیا حریص بھر لیے جھولی میں ٹکڑے جام کے
ہاتھ سے صیاد کے گر کر چھری کٹ گئے حلقے ہمارے دام کے

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جُدا
ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

تمھیں چہرے سے نقاب اپنے اٹھا دو ورنہ
نگہِ شوق کو بھی رخنہ گری آتی ہے

داورِ حشر کا انصاف جو میں سنتا ہوں
یاد مجھ کو تری بیداد گری آتی ہے

داغ رہتا ہے اسی فکر میں غمگین و حزیں
مجھ کو کیا بات بجز بے ہنری آتی ہے

بیٹھے ہیں راہ دوست میں ہم پاؤں توڑ کر؟
اب فکر کیا ہے منزلِ دشوار کے لیے

تر دامنی میں اشک ندامت بھی ہیں شریک

رحمت کا ہے نچوڑ گنہ گار کے لیے

کیا حالِ دل کہوں کہ تری چشمِ خشمگیں!
ہے مہرِ خامشی لبِ اظہار کے لیے

تیرے تبسّمِ نمکیں میں ہے اک مزہ
لیکن جگر فگار دلِ افگار کے لیے

گرچہ بحرِ عشق اک ذخّار ہے ڈوبنے والے کا بیڑا پار ہے
کوئی ویرانے میں رہ کر کیا کرے میرے دل سے درد بھی بیزار ہے
اور سب آسانیاں ہیں عشق میں آدمی کو زندگی دشوار ہے
بے خودانہ ہیں جو قدموں پر گرا کہتے ہیں وہ آدمی ہشیار ہے
اس چمن کی داغ تم لوٹو بہار
حیدر آباد آج کل گل زار ہے

اس چوٹ کو پوچھے کوئی اس خستہ جگر سے
اُترا جو ترے دل سے گرا تیری نظر سے

پروانوں نے گھیرا ہے شب غم مجھے آکر
لو شمع کی اٹھتی ہے مرے داغ جگر سے

بھولا نہ کبھی قافلۂ ملک عدم راہ
جاتا ہے ادھر ہی کو یہ آتا ہے جدھر سے

اس انجمن ناز سے آیا ہوں بہت خوش
اللہ بچائے مجھے اپنی بھی نظر سے

کیا صبا کوچہ دلدار سے تو آتی ہے
مجھ کو اپنے دل گم گشتہ کی بُو آتی ہے

ہو رسا آہ تو کیا جانے کہاں تک پہنچے
نارسائی میں تو یہ عرش کو چھو آتی ہے

تلخی موت کو فرہاد کی وہ کیا جانے؟
منہ سے شیریں کے ابھی دودھ کی بو آتی ہے

شجر خشک تو ہر سال ہرے ہوتے ہیں
جا کے راے عمر جوانی کہیں تو آتی ہے

دل اگر صاف نہ ہو پاک نہ ہوگا انساں
یوں تو ابلیس کو بھی شرطِ وضو آتی ہے
محفلِ یار میں اے داغ سوا حسرت کے
کیا ہمیں کیفیت جام و سبو آتی ہے

گمانِ تند خو کیا جانے کیا ہے ہماری آرزو کیا جانے کیا ہے
ہمارے اور ان کے دل ہی دل میں ہمیشہ گفتگو کیا جانے کیا ہے
کہوں کیا تجھ سے ناصح لذت عشق ارے کمبخت تو کیا جانے کیا ہے
جہاں میں داغ نے دیکھا ہے کس کو
یہ تکتا چار سو کیا جانے کیا ہے

خوب ہی چلتی ہوئی وہ نرگسِ مستانہ ہے
آشنا سے آشنا بیگانہ سے بیگانہ ہے
پائے ساقی پر گرایا جب گرایا ہے مجھے
چال سے خالی کہاں یہ لغزشِ مستانہ ہے

ہیں خونِ دل سے دیدۂ گریاں بھرے ہوئے
دونوں چراغ ہیں شبِ ہجراں بھرے ہوئے

اے داغ دل ترا نہ شگفتہ ہوا کبھی
عالم میں ہیں گلوں سے گلستاں بھرے ہوئے

جان سے چھوڑ دے تو اے ستم ایجاد مجھے
کہ ملے روز نئی لذتِ بے داد مجھے

خانۂ دل سے یہ ماتم کی صدا آتی ہے
غم سے آباد کیا جان سے برباد مجھے

اہلِ محشر سے یہ پوچھوں گا خدا لگتی بات
تم نے دیکھا بھی ہے دنیا میں کبھی شاد مجھے

بندگی ایسی غلامی کو اگر قدر نہ ہو
قتل کر ڈال جو کرتا نہیں آزاد مجھے

کچھ تو امید بندھے ان سے وفاداری کی
کاش دشمن ہی سمجھ کر وہ کریں یاد مجھے

تم سلامت رہو آزار کے دینے والے
کون سنتا ہے مبارک مری فریاد مجھے
ہچکیاں داغ دمِ نزع چلی آتی ہیں
شاید اس بھولنے والے نے کیا یاد مجھے

شکستِ عہد سے ہوتا ہی کیا ہے انھیں اس بات کی پروا ہی کیا ہے
ترقی کر رہی ہے ان کی شوخی ابھی تڑپے گا دل تڑپا ہی کیا ہے
شکایت ہی سہی عرضِ تمنّا ذرا انصاف کر بیجا ہی کیا ہے
اگر سن لیں وہ حالِ زار اے داغ
ترے کہنے کا پھر کہنا ہی کیا ہے

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے
جان بھی جائے تو میری جان ہنستے بولتے
مجھ کو مجبوری نہ تھی اس کی زبردستی نہ تھی
لے گیا کافر مرا ایمان ہنستے بولتے

یہ تو ان کی دل لگی ہے یہ تو ان کی بات ہی
وعدہ اُٹھتے بیٹھتے پیمان ہنستے بولتے

تو وہ ہے سب بت کافر ترے قربان گئے
جو خدا کو بھی نہ مانیں وہ تجھے مان گئے
یا الٰہی کہیں لٹتی تو نہیں راہِ عدم
جانے والے جو یہاں چھوڑ کے سامان گئے
آجکل نالۂ بلبل میں بھی تاثیر نہیں
کیا عجب گل یہ پکارے کہ مرے کان گئے
خانۂ دل ہے الٰہی کہ مسافر خانہ
کتنے ہی آئے یہاں کتنے ہی ارمان گئے
بندہ عشق ہوا ایسے کہ الٰہی توبہ
تم تو معشوق کو لے داغ خدا مان لئے

کسی کے ہیں جلوے یہاں کیسے کیسے   عیاں کیسے کیسے نہاں کیسے کیسے

نشیب و فراز ان کو سمجھائے کیا کیا ملائے زمیں آسماں کیسے کیسے
نہ آثارِ عشرت نہ سامانِ راحت نشاں سے ہوئے بے نشاں کیسے کیسے
وہ جب اوپری دل سے کرتے ہیں وعدے تو کھاتی ہے پلٹے زباں کیسے کیسے
سکھانے پڑھانے کو ہیں دوست دشمن یہاں کیسے کیسے وہاں کیسے کیسے
چھٹے قافلے والے اول ہی منزل پڑے رہ گئے ناتواں کیسے کیسے
بنایا گئے مجھ کو مجرم وہ ناحق بلایا کیے ہاں ہیں ہاں کیسے کیسے

وطن سے چلے داغ جب ہم دکن کو
چھٹے اہل ہندوستاں کیسے کیسے

جینا ہے ننگِ عشق تو مرنا خلافِ عقل
یہ بھی محال ہے مجھے وہ بھی محال ہے
اے داغ ان کی رنجشِ بیجا کا کیا علاج
اپنے قصور پر بھی تو مجھ سے ملال ہے

گو دل آزار ہو اچھوں کا خیال اچھا ہے

سو بلاؤں سے بھر ارمان وصال اچھا ہے

وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو!
آج ہی خوبیِ تقدیر سے حال اچھا ہے

دیکھنے والوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی
جو نہ دیکھے وہی مشتاق جمال اچھا ہے

گریۂ شب سے جو تاثیر کی امید بندھی
ہنس کے تقدیر پکاری کہ خیال اچھا ہے

ننگِ ہمت ہی اگر دولت کونین ملے
جو نہ پورا ہو کسی سے وہ سوال اچھا ہے

لوگ کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا
یہ بھی کہہ دیں کہ برائی کا مآل اچھا ہے

آپ پچتائیں نہیں جور سے تو یہ نہ کریں
آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

بات اک دل میں میرے آئی ہے گر کہوں تو ابھی لڑائی ہے

دوسری جان ہے تری الفت ایک کھوئی ہے ایک پائی ہے
سچ ہے بے عیب ہے خدا کی ذات
تجھ میں کیا جانے کیا بُرائی ہے

رہے گا عشق ترا خاک میں ملا کے مجھے
کہ ابتداء میں ہوئے رنج انتہا کے مجھے
بغیر موت کے کس طرح کوئی مرتا ہے
یقیں نہ آئے تو وہ دیکھ جائیں آکے مجھے
بلائے عشق تو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
مرا رقیب بھی رویا گلے لگا کے مجھے
ستم تو یہ ہے کہ پھر اس خوشی کی قدر نہیں
تم اپنے دل میں ہو خوش کس قدر ستا کے مجھے
ہر ایک شخص کو حاصل جدا ہے کیفیت
جفا کے لطف تجھے ہیں مزے وفا کے مجھے
غضب ہے آہ مری داغؔ نام ہے میرا

تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے

نہیں نہیں وہ قلق آہ نارسا کے مجھے
اثر اثر کے ہیں لالے دعا دعا کے مجھے

ملے گی داد ستم کس طرح کہاں کیوں کر!
ابھی کے ان کو بھروسے ہیں جس خدا کے مجھے

نہ کوہسار نہ صحرا نہ آسماں نہ زمیں
ہوائے شوق کہاں لے گئی اڑا کے مجھے

نکالے اپنے ہی تلووں سے خار گھڑیوں میں
ابھی تو پاؤں دبانے ہیں رہنما کے مجھے

بہار دیدۂ خوں بار کے سوا دل نے
دکھائے رنگ بہت خون مدعا کے مجھے

نہیں ہے قیصر و فغفور سے طمع اے داغ
بہت ہیں لطف و کرم اپنے بادشا کے مجھے

شمع روشن ہے ہماری آہ سے　　لو لگا بیٹھے ہیں ہم اللہ سے
فائدہ کیا ان بتوں کی چاہ سے　　خیر مانگو داغ تم اللہ سے
ہائے اس کے پائمالوں کے نصیب　　بھاگتے ہوں فتنے جس کی راہ سے
ان کا میرا کس طرح جھگڑا چکے　　واسطہ ہے ایک ہی اللہ سے
بے وفائی اس قدر اچھی نہیں　　چاہنے والے ڈریں گے چاہ سے

داغ سے کہتے ہیں سب دیدو مجھے
جو ملا ہے تم کو آصف جاہ سے

دلِ شہید کا ماتم ضرور ہوتا ہے
یہ ہاتھ اب کوئی سینے سے دور ہوتا ہے
ہزار رنگ میں ہے اور پھر نظر میں نہیں
اُسی کا پردہ اُسی کا ظہور ہوتا ہے
اثر پذیر ہے دل گرم و سرد عالم سے
گھڑی میں نار گھڑی میں یہ نور ہوتا ہے
بٹھا دیا ہے محبت نے آپ کی سکہ

یہ دل سے داغ کے اب کوئی دُور ہوتا ہے

کچھ اس کو وہم کچھ اس کو غرور رہتا ہے
الگ تھلگ وہ بہت دُور دور رہتا ہے

تم اپنے عیش کے بندے ہو کیا خبر تم کو
کہ نامراد کوئی ناصبور رہتا ہے

زہے نصیب طبیعت ہیں ہو جو آزادی
بہت بلاؤں سے انسان دور رہتا ہے

یہ بزم وعظ ہے یا کوئی پاک مے خانہ
ہمیشہ ذکرِ شراب طہور رہتا ہے

زمانہ بتوں پر فدا ہو رہا ہے | خدا کی خدائی میں کیا ہو رہا ہے
ستم ہو کے عذر جفا ہو رہا ہے | وہ کیا ہو رہا تھا یہ کیا ہو رہا ہے
دھڑکتا ہے دل کانپتا ہے کلیجا | ادا اس طرح مدّعا ہو رہا ہے
خدا شرم رکھ لے مری عاشقی کی | وہاں امتحان وفا ہو رہا ہے

ستم ہو جو کم کم تو ہم سہتے جائیں مگر وہ تو بے انتہا ہو رہا ہے
یہ آکر کہا مجھ سے پیغام بر نے وہاں دشمنوں کا کہا ہو رہا ہے
جگت آشنا داغ ملتا تھا سب سے
مگر اب تو وہ آپ کا ہو رہا ہے

لوٹے دل و دیں اس صنمِ ہوش ربا نے
اللہ کے جو بھید ہیں، اللہ ہی جانے
سنبھلا تو ہے کچھ آپ کا بیمارِ محبّت
سب کہتے ہیں مُردے کو جلایا ہے خدا نے
مر جاؤں اگر میں تو ستم کون اُٹھائے
زندہ مجھے رکھا ہے رقیبوں کی دُعا نے
اے داغ کسی طرح سے یہ کم نہیں ہوتی
انسان کو برباد کیا حرص و ہوا نے

ہم اس جہان سے ارمان لے کے جائیں گے

خدا کے گھر یہی سامان لے کے جائینگے

چڑھی نہ تربتِ مجنوں پہ آج تک چادر
ہم اپنا چاک گریبان لے کے جائینگے

نہیں ہے تشنگیٔ حشر کا کچھ اندیشہ
ہم اشکِ چشم کا طوفان لے کے جائینگے

صنم کدے کے ہوئے ہم نہ میکدے کے ہوئے
یہ داغ دل میں مسلمان لے کے جائینگے

ہمیں یہ فکر کہ دل سوچ کر سمجھ کر دیں
انہیں یہ ضد کہ اسی آن لے کے جائینگے

پھنسا رہے گا دلِ مبتلا تو دنیا میں
گناہ کس میں پھر انسان لے کے جائینگے

دنیا میں ہیں سب عیش کے ساماں کوئی دن کے
یہ جلوے نظر آتے ہیں ناداں کوئی دن کے

عالم ہے شب و روز ترے وصل کا خواہاں

کرتا ہے کوئی رات کے ارماں کوئی دن کے

ڈرتی ہے بلا بھی تو مرے روزِ سیہ سے
ہو سکتی ہے روکش شبِ ہجراں کوئی دن کے

ہے جوشِ جوانی میں خیالِ مے و معشوق
اے دل یہ ہے سب خوابِ پریشاں کوئی دن کے

لے جائے کہاں دیکھئے اب گردشِ قسمت
دلّی میں ہم اے داغ ہیں مہماں کوئی دن کے

ہر بات میں کافر کی کیا آن نکلتی ہے
واں آن نکلتی ہے یاں جان نکلتی ہے

سو حُسن بدلتے ہیں سو ناز برستے ہیں
اے صلِ علیٰ تجھ میں کیا شان نکلتی ہے

آبادی دل کا ہے اس درجہ خیال اب تو
حسرت بھی نکلتی ہے تو جان نکلتی ہے

چتون کے مٹیں گے بل ابرو کے کھلیں گے خم

پر دل کی گرہ کوئی آسان نکلتی ہے

وعدہ نہ وفا کرنا پھر اس پہ یہ تاکیدیں
تا حشر ٹھہر جاؤ کیوں جان نکلتی ہے

بے طرح کبھی جی میں اے داغ پلک اس کی
یہ پھانس کوئی دل سے نادان نکلتی ہے

شوق میں ایک فتنہ قامت کے
ہم گلے مل گئے قیامت کے

دل میں مضمون یاس حسرت کے
بن گئے نقش لوح تربت کے

اس نے پوچھا مزاج کیسا ہے؟
رنگ اب دیکھنا طبیعت کے

یا درہ جائے گی جفا تیری
دن گذر جائینگے مصیبت کے

وہ نزاکت سے تھم گئے چل کر!
لو قدم گڑ گئے قیامت کے

کان رکھ کر اگر وہ سن لیتے
بوسے لینا لب شکایت کے

آئی تیشہ سے یہ صدا پیہم
کوہکن کام ہیں یہ فرصت کے

بتکدہ ٹوٹ کر بنے کعبہ
کارخانے ہیں اس کی قدرت کے

داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے

گُل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

رنجِ فرقت سے جو واقف دلِ شیدا ہو جائے
داغ ارمان بنے درد تمنّا ہو جائے

قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

دشمنِ جاں نہ سہی آپ مسیحا ہی سہی
داغِ رنجور کسی طرح سے اچھا ہو جائے

آئینہ مُنہ پہ بُرا اور بھلا کہتا ہے
سچ ہے یہ صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے

ہر دم اپنا دمِ آخر کی سناتا ہے خبر
ہر نفس ہر نفس احوالِ فنا کہتا ہے

حق ہے اس بات میں ناصح کا طرفدار ہوں میں
دل کی کہتا ہے جو اس دل کو بُرا کہتا ہے

ہند سے تا بہ دکن داغؔ ہے شہرت تیری
اب تو کچھ اور ترا بخت رسا کہتا ہے

عشق کا لطف غم سے اٹھتا ہے　　　غم جو اٹھتا ہی ہم سے اٹھتا ہے
فتنہ ان کے قدم سے اٹھتا ہے　　　ہر قدم کس ستم سے اٹھتا ہے
گر نہ ٹھکرائے وہ تو پھر اے داغؔ
کون خوابِ عدم سے اُٹھتا ہے

عشق میں اے ہمتِ مردانہ ایسا چاہیئے
یہ کہے اپنا ہو یا بیگانہ ایسا چاہیئے
ایک قطرہ بھی نہ اے ساقی ملے کم ظرف کو
انتظامِ بادہ و پیمانہ ایسا چاہیئے
دل مرا اہلِ وطن سے ہی بہت کھٹکا ہوا
خار تک جس میں نہ ہو ویرانہ ایسا چاہیئے
بے وفائی تم کرو ناآشنائی تم کرو

ہم کو ایسا چاہیئے حاشا نہ ایسا چاہیئے

خوب جی بھر کر سنا پہلے تو قصّہ داغ کا
پھر کہا دل تھام کر افسانہ ایسا چاہیئے

دیکھا تو شہر حسن میں چرچا ہی اور ہے
اس کی ہوا ہی اور وہ دنیا ہی اور ہے

قاتل کو زیر قبر بھی دیتے رہے دُعا
سر جا کے بھی نہ جائے یہ سودا ہی اور ہے

جب اہلِ حشر سے نہ ملی میری واردات
سب نے کہا سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے

جی چاہتا ہے جس کو وہ یارب نصیب ہو
کیسا بہشت مجھ کو تمنا ہی اور ہے

تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے
واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے

مجھ کو رُلا کے آپ ہنسی سے تڑپ گئے

خود لوٹنے لگے یہ تماشا ہی اور ہے

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے
اُٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے
نہ کہیے دوست کو دشمن نہ کہیے
پرائے اپنے ہوتے ہیں زباں سے
شکایت راہِ الفت کی سنے کون
الگ چلتا ہوں بچکر کارواں سے
شبِ غم ہر بلا کا منتظر ہوں
نگاہیں لڑ رہی ہیں آسماں سے
مرے تنکوں میں ہے کیا خارِ حسرت
الگ گرتی ہے بجلی آشیاں سے

سر وہ سر ہے کہ جو دل دار کے در تک پہنچے
دل وہ آئینہ ہے جو اس کی نظر تک پہنچے
دل کو تھاموں کہ تری بزم میں آنسو پوچھوں
ہاتھ جب دل سے اُٹھے دیدۂ تر تک پہنچے
زلف آہستہ جھٹکیے مرا جی ڈرتا ہے؟
دیکھئے ہاتھ کا جھٹکا نہ کمر تک پہنچے

شوق ہے دادِ خدا ذوق ہے امدادِ خدا
داؔغ کیوں کر نہ شہِ جن و بشر تک پہنچے

شعلے دلِ پُر سوز سے اٹھتے ہیں غضب کے
یہ آگ نہیں وہ جو رہے خاک میں دب کے
مانندِ نظر جاتے ہیں منزل پہ سبک رو
دیکھے نہ کبھی نقشِ قدم پائے طلب کے
وہ زندے کو مردہ کرے یہ مُردے کو زندہ
وہ چشم کے جادو ہیں یہ اعجاز ہیں لب کے
رندوں کا ہوں میں دوست تو زاہد کا خادم
وہ کام کا انسان ہے کام آئے جو سب کے
سُن سُن کے مرا حال وہ بولے تو یہ بولے
یہ جھگڑے ہیں کس وقت کے یہ قصے ہیں کب کے

ہوتا ہے شریک آپ یہ دُکھ درد میں سب کے

کیا حوصلے ہیں یہ دل آزار طلب کے
بے وجہ کسی پر کوئی عاشق نہیں ہوتا
ہم عالم اسباب میں قائل ہیں سبب کے
منہ لگتے ہی اللہ رے غیروں کا تکبر
شیطان نے کیا پھونک دیا کان میں سب کے
حیرت ہے کہ یہ خاک دباتی ہے ہوا کو
اس دل کی کدورت میں رہا سانس بھی دب کے
کیا سخت گھڑی تھی کہ مری آنکھ لڑی تھی
یہ درد یہ آزار یہ آرام ہیں جب کے
اب عافیت کار کی تم خیر مناؤ
بس داغ مزے لوٹ چکے عیش و طرب کے

بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے
سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے
جب دل میں تمہارے ہی نہیں گھر تو کہاں گھر

کیا پوچھتے ہو خانہ خرابوں کے ٹھکانے
اے حشر کچھ انصاف بھی ہوگا کہ نہ ہوگا
بے فائدہ آیا ہے جو سوتوں کو جگانے
مے خانہ ہے اور داغؔ ہے اور نشۂ مے ہے
سوتا ہے رکھے خشتِ خمِ بادہ سرہانے

یہ پیشتر زمیں سے ہے یا آسماں سے ہے
کیا جانے ابتدائے محبت کہاں سے ہے
کیا لطفِ زندگی ہے کہ اس زندگی کا لطف
آگے بڑھا ہوا مری عمرِ رواں سے ہے
کھولے ہیں میرے بھید رقیبوں کے سامنے
وہ شکوہ غیر سے نہیں جو رازداں سے ہے
برسوں وہ مہرباں ہیں دم بھر میں کچھ نہیں
مجھ کو تو ہولِ دل ستمِ ناگہاں سے ہے
قرباں جاؤں صبرِ دلِ بے قرار کے

پیغام جو یہاں سے نہ تھا وہ وہاں سے ہے
جاتا ہے کون، کوئی، وہاں جانے کیا کرے

اک چھیڑ ہم کو مدِ نظر پاسباں سے ہے
پیری میں داغ جوشِ مضامیں ہیں رنگ پر
اس باغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے

بہت ہیں تجھے بیوفا کہنے والے
کہیں جو کتے ہیں بُرا کہنے والے
وہ بت ہو کے بے پردہ یہ کہہ نہ بیٹھے
کہاں ہیں خدا کو خدا کہنے والے
خدا زندہ رکھے تجھے میرے قاتل
مجھے صبر پر مرحبا کہنے والے
یہ کیا منصفی ہے جواب اس کا پا کر
بُرا مانتے ہیں بُرا کہنے والے
یہ کہہ کر کیا اس نے شرمندہ مجھ کو
سلامت رہیں بے وفا کہنے والے

داغ حسرت جو پس مرگ عیاں رہتا ہے
یہ نشانِ قدمِ عمرِ رواں رہتا ہے

میں بُرا ہوں تو بُرا جان کے ملیے مجھ سے
عیب کو عیب سمجھیے تو کہاں رہتا ہے
لامکاں تک کی خبر حضرت واعظ نے کہی
یہ تو فرمائیں کہ اللہ کہاں رہتا ہے
زخم آلے تو سبھی خشک ہوا کرتے ہیں
داغ مِٹتا ہی نہیں اُس کا نشاں رہتا ہے

صبر آنا تو محبت میں بہت مشکل ہے
موت بھی تو نہیں اس کو، یہ وہ کافر دل ہے
شمع چپ آئینہ حیران ہے، عاشق ششدر
واہ کیا عالمِ تصویر تری محفل ہے
حشر کے دن تو ملو گے، یہ کیا میں نے سوال
سوچ کر دیر میں ظالم نے کہا مشکل ہے
اے غمِ یار کوئی اپنا ٹھکانا کر لے
دل تو پُر درد ہے تو درد کے کیوں شامل ہے

ہم کو قسمت نے دیا داغِ تمنا اے داغ
وہی ملتا ہے جس انعام کے وہ قابل ہے

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے — تبسم ہے عیاں چینِ جبیں سے
شفا ہو عیسیِٔ گردوں نشیں سے — ہماری بندگی پہنچے یہیں سے
بنایا تجھ کو اور ایسا بنایا — کہے کیا کوئی صورت آفریں سے
تمھیں بیداد گر اللہ کی شان — جفا کی داد بھی چاہوں تمھیں سے
کہا افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے — سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے
پڑا ہوں منہ لپیٹے میکدے میں — حجاب آتا ہے مجھ کو اہلِ دیں سے
کبھی دیکھا ہے اتنا داغ کو خوش
چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے

کوئی تو محبت میں مجھے صبر ذرا دے
تیری تو مثل وہ ہے نہ میں دولت خدا دے
اقرار کیا ہے لبِ شیریں سے کسی نے

جو بات مزے کی ہو وہ کیونکر نہ مزا دے
پھٹ جائے اگر دل تو کبھی مل نہیں سکتا
یہ چاک نہیں وہ جو کوئی سی کے ملا دے
کیا کیا نہ کیا عشق میں اپنی سی بہت کی
تدبیر سے کیا ہو جسے تقدیر مٹا دے
عنقا نظر آتے ہیں مگر اہلِ کرامت
درویش وہ کامل ہے جو اپنا سا بنا دے
اللہ کی کیا شان کریمی ہے کہ اے داؔغ
جو اس سے طلب کیجئے وہ اس سے سوا دے

قیامت کب اس قد کی ثانی نہیں ہے — جوانی جوانی نہیں ہے
بہ ظاہر مٹائے بہت داغ دل کے — مداوائے دردِ نہانی نہیں ہے
نہ جانو اسے جھوٹ جو کہہ رہا ہوں — مرا حال قصہ کہانی نہیں ہے
سمجھ سوچ کر دل دیا میں نے اُن کو — کوئی آفت ناگہانی نہیں ہے
کبھی داؔغ اس پر بھروسہ نہ کرنا — کسی کی یہ دنیائے فانی نہیں ہے

اے فلک دے ہم کو پُورا غم تو کھانے کے لیے
وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لیے

تم سے بچ کر اک وفا حِصّے میں اپنے آگئی
تم نے خوبی کون سی چھوڑی زمانے کے لیے

آگیا کچھ یاد دل بھر آیا آنسو گر پڑے
ہم نہ روئے تھے تمھارے مُسکرانے کے لیے

غنچۂ دل کے عوض تازہ ہوئے داغ جنوں
کیا بہار آئی تھی دیوانہ بنانے کے لیے

چار حرف آرزوئے دل ہیں یوں تو مختصر!
گر بڑھاؤں میں تو قصّہ ہی بڑھانے کے لیے

زاہد صد سالہ آیا میکدے میں بھول کر!
لا شراب کُہنہ ساقی اس پرانے کے لیے

داغ جنت کو سدھارا کب اسی کوچہ میں ہے
دُور جائے پاؤں کیوں اپنے تھکانے کے لیے

اس چشم فسوں گر کی حیا کو کوئی دیکھے
اس ظالم مظلوم نما کو کوئی دیکھے

جو دیکھتے ہیں چشم تحیر سے ترا حُسن
ان دیکھنے والوں کی ادا کو کوئی دیکھے

میرے نفس سرد پہ ہیں طعنہ زن احباب
اس وقت زمانے کی ہوا کو کوئی دیکھے

کہتے ہیں کہے جائیں بُرا حضرتِ واعظ
پی کر تو مے رُوح فزا کو کوئی دیکھے

اے داؔغ سنے ہیں بہت اگلے تو فسانے
کیا حال ہے اب اہلِ وفا کو کوئی دیکھے

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے
اس ادا کا کوئی جواب بھی ہے

عشق میں ہے متاعِ درد کی قدر
یہ گراں بھی ہے انتخاب بھی ہے

دل ہمارا ہے تشنۂ مقصود!
دشت میں بحر بھی سراب بھی ہے

سو جہنم ہے اک تری رنجش
اس سے بڑھ کر کوئی عذاب بھی ہے

جتنا وہ مہربان ہے یہ بیقرار ہے
دل کا معاملہ بھی عجب پیچدار ہے

سب کچھ تو ہو چکا یہ فقط انتظار ہے
کہدیں بگڑ کے آپ، تجھے اختیار ہے

جب تک وفا ہو وعدہ یہاں زندگی کہاں
مجھ سے زیادہ عہد ترا پائدار ہے

یہ آپ جانیں داغ میں جو ہیں برائیاں
اتنا تو ہم کہیں گے بڑا وضع دار ہے

جب سے بسی ہوئی کسی گلگوں قبا میں ہے
میں کیا کہوں کہ نکہتِ گل کس ہوا میں ہے

یہ وحشتِ مزاج نہ اس وقت رنگ لائے
دامن قبول کا مرے دستِ دُعا میں ہے

آسودگانِ خاک کی آہیں لگی نہ ہوں
دامن دمِ خرام ترا کس ہوا میں ہے

گرویدہ اس ستم پہ بھی رہتے ہیں سیکڑوں
میری وفا کا رنگ تمھاری جفا میں ہے

سر پھوڑنا فضول ہے دم توڑنا عبث
دل پھیرنے بتوں کا یہ قدرت خدا میں ہے

اب داغ کو جو دیکھیے وہ داغ ہی نہیں
سب رنگ چھوڑ چھاڑ کے یادِ خدا میں ہے

دل جگر سب آبلوں سے بھر چلے — مر چلے اے سوزِ فرقت مر چلے
کہتی ہے رگ رگ ہمارے حلق کی — دم میں دم جبتک رہے خنجر چلے
حسرتوں سے کیوں نہ ہو دل پائمال — اس زمیں پر سیکڑوں لشکر چلے
راہ ہے دشوار منزل دور تر — پا شکستہ کیا کرے کیونکر چلے
جادۂ راہِ حقیقت چھوڑ کر — قافلے کے قافلے اکثر چلے
مار ڈالے گی قفس میں بوئے گل — ہم اسیروں سے ہوا کج کر چلے
جس جگہ ٹھہرا دیا ٹھہرے رہے — جس طرف کو لے چلا رہبر چلے
دیکھیے پس ماندگاں پر کیا بنے — ہم تو اپنی سی بہت کچھ کر چلے

داغ کے لب پر ہے مصرعِ درد کا
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

رنج دیتے ہو اسی کو آپ جو رنجور ہے
یہ کہاں کی رسم ہے کس ملک کا دستور ہے

اب کیوں نہ کروں نالہ مجھے ڈر تو نہیں ہے
یہ عرصۂ محشر ہے ترا گھر تو نہیں ہے
فرمایئے اب شوق سے جو مدّ نظر ہو
دل آپ کے فرمانے سے باہر تو نہیں ہے
کیوں موردِ بیداد ہوں کچھ وجہ بھی اسکی
لکھا ہوا عاشق مرے مُنھ پر تو نہیں ہے
چبھتی ہے تری بات مرے دل میں ہمیشہ
آخر یہ زباں ہے کوئی نشتر تو نہیں ہے
کرتا ہے امام آج بہت سہو کے سجدے

پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے
پھر قصد صنم خانہ کیا داغ جو تو نے
کمبخت ترے پاؤں میں چکر تو نہیں ہے

پوچھتے ہیں وہ مزاج اچھا تو ہے — مار رکھنے کا علاج اچھا تو ہے
دل نہ ٹھہریگا تو کیا ٹھہریگا عشق — قلب کا یہ اختلاج اچھا تو ہے
یاسِ کلّی وجہ استغنا ہوئی — جب نہ ہو کچھ احتیاج اچھا تو ہے

یہ چرچے ہیں ہمیں دونوں کے دم سے — نہ تم سے پھر زمانے میں نہ ہم سے
یہاں تک ہو گئے ہیں محو دیدار — یہ آنکھیں کم نہیں بیتِ الصنم سے

محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے
یہ طول مدعا ہے تو بس دن تمام ہے
میں عمر بھر سناؤں تمھیں اپنی داستاں
پوچھو اگر تو پھر یہ کہوں ناتمام ہے

ہر اہلِ درد کو درِم داغ ہے نصیب
سرکارِ عشق کا بھی عجب فیض عام ہے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں اک عالم میں شیدائی تجھے
لگ گئی کس کی نظر اے حسنِ زیبائی تجھے
اک طرف اہلِ ہوس ہیں اک طرف ہیں اہلِ عشق
بزم آرائی میں آتی ہے صف آرائی تجھے
جستجو جس کی ہے، اپنے آپ میں تو دیکھ لے
دیکھنے کو دی ہے اے غافل یہ بینائی تجھے
تو اگر سن لے تو کیا جانے کرے کیسا غرور!
دیکھ کر سمجھا ہے جو تیرا تماشائی تجھے

کچھ آپ کو بھی قدر ہماری وفا کی ہے
ہم آپ کے ہیں ساری خدائی خدا کی ہے
بے اختیار آئے طبیعت تو کیا علاج

طوفان ہے غضب کا یہ آندھی بلا کی ہے

اے داغ بزمِ اہلِ سخن گرم ہو گئی!

گرمی ترے کلام میں بھی انتہا کی ہے

ضعف تھا مانعِ آرائشِ وحشت کیا کیا

ہاتھ آیا ہے گریبان بڑی مشکل سے

خونِ دل دیدۂ گریاں نے بہایا سیروں

یہ بھرا جائے گا نقصان بڑی مشکل سے

دشتِ اُلفت نہیں بازی گہ طفلاں اے دل

ہاتھ آتا ہے یہ میدان بڑی مشکل سے

کیا کرے دیکھئے کل وہ نگہِ غارت گر

بچ گیا آج تو ایمان بڑی مشکل سے

طریقِ عشق کچھ آسان ہے کچھ ہم کو مشکل ہے

اِدھر رہبر، اُدھر رہزن، یہی منزل بہ منزل ہے

کبھی بیگانہ ہے سب سے کبھی وہ آشنا سب کا
کبھی محفل میں خلوت ہے کبھی خلوت میں محفل ہے
بھروسا ہے خدا پر ناخدا سے التجا کیسی!
مری کشتی ہی ساحل ہے مری کشتی میں ساحل ہے
اُٹھایا شوق نے اُٹھے، بٹھایا ضعف نے بیٹھے!
یہی رستے کا رستہ ہے، یہی منزل کی منزل ہے
مسیحا نے ترے بیمار کو دیکھا تو فرمایا؟
نہ یہ جینے کے قابل ہے نہ یہ مرنے کے قابل ہے

قرینے سے عجب آراستہ قاتل کی محفل ہے
جہاں سر چاہیے سر ہے، جہاں دل چاہیے دل ہے
ہر اک کے واسطے کب عشق کی دشوار منزل ہے
جسے آساں ہے آساں ہے جسے مشکل ہے مشکل ہے
مدارج عشق کے طے ہو سکیں یہ ہو نہیں سکتا!
زمیں سے عرش تک اے بیخبر منزل بہ منزل ہے

یہ بات بات میں کیا نازکی نکلتی ہے
دبی دبی ترے لب سے ہنسی نکلتی ہے

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل!
دُعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

غمِ فراق میں ہو داغؔ اس قدر بیتاب
ذرا سے رنج میں جان آپ کی نکلتی ہے

وہاں عاشقوں کو سزا مل رہی ہے — محبت کو تو داد کیا مل رہی ہے
وفا پر مجھے بد دُعا مل رہی ہے — خطا کی تھی اسکی سزا مل رہی ہے
علاج اور بیمارِ الفت کا کیا ہو — دوا مل رہی ہے دُعا مل رہی ہے
وصالِ دل و جاں پہ حیرت ہے مجھ کو — وفادار سے بے وفا مل رہی ہے
سُنی ہے جو ظالم نے تاثیر اُلٹی — ہماری دُعا کو دُعا مل رہی ہے
غنی کر رہی ہے محبت کی دولت — مرے حوصلے سے سوا مل رہی ہے
الگ شورِ محشر سے سنیے گا نالے — ابھی تو صدا سے صدا مل رہی ہے
بہت منزلِ عشق میں راہزن ہیں — خبر مجھ کو یہ جا بجا مل رہی ہے

ملو داغ سے تم بھی ہے عید کا دن
گلے آج خلقِ خدا مِل رہی ہے

جان جائیں گے وہ اس پردے میں جو کچھ راز ہے
آہ کی یہ آہ ہے، آواز کی آواز ہے
وہ اثر بادِ خزاں کا باغ عالم میں ہوا
بلبلِ تصویر بھی آمادۂ پرواز ہے
یک دلی جب ہو خبر دل کی نہ کیونکر دل کو ہو
وہ مرے دل میں ہے دل میں آپ کے جو راز ہے

دوست خوش ہونے لگے دوست کے مرجانے سے
غم کا یہ کال پڑا ہے مرے غم کھانے سے
خود فراموش کیا یاد نے تیری اچھا
رہ گئی اپنی مصیبت مجھے یاد آنے سے
مجرمِ عشق کے ارمان نرالے دیکھے

جرم کا حوصلہ بڑھتا ہے سزا پانے سے

لگ چلی بادِ صبا کیا کسی متانے سے
جھومتی آج چلی آتی ہے میخانے سے
روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے
مے اُڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
گر پڑا ہوں نگہِ مست سے چکر کھا کر
ساقیا پہلے اُٹھا تو مجھے پیمانے سے
ایک چلو میں بہت داغؔ بہک اُٹھتے تھے
آج سنتے ہیں نکالے گئے میخانے سے

قول تیرا شوق میرا چاہیئے　　جھوٹ سچ کے واسطے کیا چاہیئے
دل میں قاتل کے رکاوٹ ہی تو ہو　　خنجر اپنے دم سے اچھا چاہیئے
تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر!　　دیکھنے والے کو دیکھا چاہیئے
کیجئے تیغِ تبسم سے ہلاک　　جور بھی اچھوں کا اچھا چاہیئے

اے فلک چین سے دم بھر تو پڑا رہنے دے
ہم بھی بستے ہیں جہاں خلق خدا بستی ہے

ہاتھ سے دامنِ امید کرم چھوٹ گیا
ہم یہ سمجھے کہ یہی وجہ تہی دستی ہے

حوصلہ چاہیئے انسان کو پائے جو عروج
پست ہمت کو بلندی بھی جو ہے پستی ہے

ہے یہ اب بے اثری غیر کے طعنے کیسے
ہم پر آوازے ہماری ہی فغاں کستی ہے

حیدر آباد رہے تا بہ قیامت قایم
یہی اے داغؔ مسلمانوں کی اک بستی ہے

مٹ گئے جب ہم تو جانو مٹ گئی ساری بہار
ہم ہیں دنیا میں تو یہ گلزار دنیا ہم سے ہے

دل یہ کہتا ہے ہمارے دم سے ہیں آثار عشق
درد ہم سے ہے تپش ہم سے ہے سودا ہم سے ہے

کیوں نہ حیرت ہو کہ بغض و کینہ و رنج و ملال
ہم کو دشمن سے نہیں ہے تم کو جتنا ہم سے ہے

شوخی سے قرار اس کو کہیں دل میں نہیں ہے
یہ چاند وہ ہے جو کسی منزل میں نہیں ہے
اللہ مددگار ہے رہبر ہے ہمارا
رہزن کا خطر عشق کی منزل میں نہیں ہے
یہ چیز عجب چیز ہے یہ لطف عجب لطف؟
جینے کا مزا کیا جو مزا دل میں نہیں ہے
جلتے ہیں جو پروانے تو اُف بھی نہیں کرتے
یہ صبر و تحمل تو عنا دل میں نہیں ہے
خاموش اُٹھاتا ہے یہ طوفان کے صدمے
گویا کہ یہ طاقت لب ساحل میں نہیں ہے

اللہ دے تو فقر کی دولت ہے سلطنت
جتنے فقیر مجھ کو ملے بادشا ملے

دُنیا میں دل لگی کے لیے کچھ تو چاہیے
ہم ان بتوں سے ملتے ہیں جب تک خدا ملے

اس کے ہجوم ناز میں کھویا گیا ہے دل
جو اس طرح کی بھیڑ میں گم ہو وہ کیا ملے

جاتے تھے مُنھ چھپائے ہوئے میکدے کو ہم
آتے ہوئے ادھر سے کئی پارسا ملے

اے داغ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی
کوئی کھچا کھچے کوئی ہم سے ملا ملے

داد کس کی دوں جو ہوں دونوں برابر سامنے
وہ جب آتے ہیں تو آتا ہے مقدر سامنے

بت پرستی سے تو کی توبہ مگر یہ حال ہے
سر ٹپکنے کے لیے رہتا ہے پتھر سامنے

ہم اگر مانگیں تو اے زاہد یہ بیشک ہے گناہ
بے طلب رکھدے جو کوئی بھر کے ساغر سامنے

دل رکھ تو دیا ہے نگہِ یار کے آگے　　　اُف کر نہیں سکتا ہوں خریدار کے آگے

میں موسیٰ عمراں نہ خدا تو بتِ کافر!　　　باتیں نہ بنا طالب دیدار کے آگے

خورشید قیامت کی بہت دُھوم سُنی ہے　　　آئے تو سہی میری شب تار کے آگے

کعبے میں ٹھکانا ہی نہ بت خانے میں اپنا　　　مرجائیں گے جا کر در دلدار کے آگے

میں حُسن سے سکتے میں وہ ہی عشق سے حیراں

دیوار کھڑی ہو گئی دیوار کے آگے

جس نے دیکھا ہو نہ عاشق کو مصیبت میں کبھی

مجھ کو دیکھے مری تقدیر کا لکھا دیکھے

اک جھلک بھی جو دکھا دے تو غنیمت جانو!

کیا یہ ممکن ہے کوئی حسب تمنا دیکھے

بات وہ کیجئے جس بات کو سب دل سے سنیں

کام وہ کیجئے جس کام کو دُنیا دیکھے

غمزہ سفاک، بلا ناز، قیامت انداز

چشم مشتاق ادائیں تری کیا کیا دیکھے

ملتا ہے محبت کا مزہ زہر فنا سے
کُلّی بھی کریں ہم نہ کبھی آب بقا سے

وہ دل پہ چھری پھیر گئے ناز و ادا سے
اب کوئی مرے کوئی جِئے اُنکی بلا سے

ہم تیرے سوا اور ہوں کس چیز کے طالب
کیا چھوڑ دیا مانگنے والوں نے خُدا سے

ناوک ہی نہ برچھی ہی نہ خنجر ہے نہ تلوار
یہ دیدہ و دل ہی ہیں مرے خون کے پیاسے

مرضِ عشق کی دوا بھی ہے — مجھ میں دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
دیر کے جانیوالوں سے کہدو — تم میں اک بندۂ خدا بھی ہے
رشک پر صبر ہو سکے کیونکر — یہ کسی سے کبھی ہوا بھی ہے
میں سناؤں تو داستاں اپنی — آپ کو بات کا مزا بھی ہے

اچھی کہی کہ عشق میں بیمار کیوں ہوئے

اچھوں کے آپ درپئے آزار کیوں ہوئے

دیکھا نہیں یہ شان یہ جلوہ کچھ اور ہے

بُت کہہ کے لوگ تجھ کو گنہ گار کیوں ہوئے

پی کر نہ توبہ کی ہو تو واعظ زباں جلے

یہ اعتراض کیا ہے کہ مے خوار کیوں ہوئے

وادیٔ عشق میں رکھتا ہوں قدم ڈر ڈر کر

راہزن کا وہیں کھٹکا ہے جہاں منزل ہے

کر نہ جائے دلِ مجنوں کی تباہی تاثیر!

ورنہ پھر تو کہیں ناقہ ہے کہیں محمل ہے

زندگی عشق میں دشوار ہے سب کہتے ہیں

بدنصیبوں کو تو مرنا بھی بہت مشکل ہے

جان دل میں تو ہوا کرتی ہے سب کے لیکن

تو جو ہے جان مری جان میں میرا دل ہے

ہمیں کیا غم قیامت میں جو پرسش ہونیوالی ہے
کہ جب وہ فتنہ گر آیا تو پھر میدان خالی ہے
کدورت دِل کی جو فریاد کرنے سے نکالی ہے
وہ کہتے ہیں محبت پر ہماری خاک ڈالی ہے
ہماری توبہ زاہد کی جوانی دونوں بےکس ہیں
نہ کوئی اس کا وارث ہے نہ کوئی اسکا والی ہے
یہ دو آنکھیں دورنگی دیکھتی ہیں اسکے جلوے کی
کہیں شانِ جلالی ہے کہیں شانِ جمالی ہے
بھری ہیں حسرتیں سی حسرتیں اس خانۂ دل میں
مگر دیکھو تو پھر یہ گھر کا گھر خالی کا خالی ہے

جوانی کی امنگیں ہیں طبیعت لاابالی ہے
نہ تم دُنیا سے خالی ہو نہ دُنیا تم سے خالی ہے
ترا کینہ نہ کھلتا تھا ذرا انصاف کر ظالم!
نری باتوں سے دل کی بات چھین کر ہم نے کیا لی ہے

بچا تھا برق و صرصر سے بہ مشکل آشیاں اپنا
نظر صیاد کی اب پتے پتے ڈالی ڈالی ہے

کبھی ہے اس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اسکے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے

جہاں دیکھو حسینوں کا ہے مجمع عاقبت میں بھی
نہ جنت ان سے خالی ہے نہ دوزخ اُن سے خالی ہے

ذرا سا ہوش آجائے ذرا سا دیکھ لیں جلوہ
سنبھلنے کے لیے ہم نے طبیعت کب سنبھالی ہے

اک وار جگر پر نگہِ یار سے ہو جائے
تلوار کا جو کام ہے تلوار سے ہو جائے

پھر کون سی امید رہی لطف و کرم کی
جب فیصلہ ہی آپ کے انکار سے ہو جائے

پھر دیکھے کوئی آئینۂ دل کی صفائی
یہ صاف جو عکسِ رُخِ دلدار سے ہو جائے

اس بات پہ جمتے نہیں کیوں حضرت واعظ
بخشش کی یہاں شرط گنہ گار سے ہو جائے
اے داغ اسے لطف و عنایت کا مزہ کیا
جس دل کو محبت ستم یار سے ہو جائے

دن گذارے عمر کے انسان ہنستے بولتے
جان بھی نکلے تو میری جان ہنستے بولتے
مجھ کو مجبوری نہ تھی اس کی زبردستی نہ تھی
لے گیا کافر مرا ایمان ہنستے بولتے
یہ تو ان کی دل لگی ہے یہ تو اُنکی بات ہے
وعدہ اُٹھتے بیٹھتے پیمان ہنستے بولتے
انقلاب دہر سے باقی نہیں ایسا مقام
چار مل کر جس جگہ انسان ہنستے بولتے

خوش کسی حال میں انسان رہا ہے نہ رہے

ہو کے بے فکر کسی آن رہا ہے نہ رہے

کرتے ہیں عشق کا ہم جان لگا کر سودا
اس میں انجام کو نقصان رہا ہے نہ رہے

جو حقیقت سے خبردار ہوا یا ہوگا
پھر حقیقت میں وہ انسان رہا ہے نہ رہے

سخنِ عشق کی تاثیر سے وہ ڈرتے ہیں
سامنے داغؔ کا دیوان رہا ہے نہ رہے

دیکھئے عشق میں اب جان رہے یا نہ رہے
جان کیا چیز ہے ایمان رہے یا نہ رہے

کیا مصیبت ہے کہ تم وعدہ کرو اور نہ آؤ
کوئی کمبخت پریشان رہے یا نہ رہے

اپنو کھائی ترے ملنے کی قسم اے ظالم
آن رہ جائے مری جان رہے یا نہ رہے

تیری تصویر نے دیکھی ہے کب ایسی صورت

دیکھ کر داغ کو حیران رہے یا نہ رہے

سنگ اسود نہ ٹلا کعبے سے　　پتھر اپنی ہی جگہ بھاری ہے
عرضِ مطلب پہ زباں قطع ہوئی　　بات کرنے کی گنہ گاری ہے
داغ دشمن سے بھی جھک کر ملیے　　کچھ عجب چیز ملنساری ہے

چارہ گر ہم ہوش میں آئیں گے کس تدبیر سے
عقل دیوانی نہیں باندھیں جسے زنجیر سے
ظلم ہے آزاد پر پابندیٔ مقصود بھی
کتنا بچ بچ کر گیا نالہ مرا تاثیر سے
پڑ گئی کیوں کر الٰہی دل میں اس بُت کے گرہ
بچ رہا تھا کون سا عقدہ مری تقدیر سے
داغ جلنے کے لیے کافی ہے اس کی بزم میں
کاٹ ڈالے کوئی پروانے کا سر گل گیر سے

کس طرح ظاہر کروں حسرت جو مکنوں دل میں ہے
جس طرح غنچے میں بُو ہے آرزو یوں دل میں ہے
اس محبّت کا بُرا ہو ایک کو راحت نہیں
دل مکدّر سینے میں ہے جان محزوں دل میں ہے
دعوتِ مژگاں کروں، مہمانیِ پیکاں کروں
آہ میں کیا کیا کروں اِک قطرۂ خوں دل میں ہے
آرزوئے عشق سے کیا ہو جو قسمت میں نہ ہو
جو نہیں ہے تجھ میں وہ اے بخت وارژوں دل میں ہے

کیا طرزِ کلام ہو گئی ہے — ہر بات پیام ہو گئی ہے
آگے تو نہیں نہیں سُنی تھی — اب تکیہ کلام ہو گئی ہے
عالم کو ہے دعوئے محبت — یہ خاص بھی عام ہو گئی ہے
کچھ زہر نہ تھی شراب انگور! — کیا چیز حرام ہو گئی ہے
جاگیر جنوں کی قیس کے بعد
اب داغ کے نام ہو گئی ہے

دل میں عاشق کے تصوّر سے کھٹک ہوتی ہے
ان حسینوں کی غضب نوک پلک ہوتی ہے

پست ہمّت کبھی پاتے نہیں عالم میں عروج
قاعدہ ہے کہ زمیں زیرِ فلک ہوتی ہے

دردِ فرقت بھی الٰہی نہ دغا دے جائے
آج یہ کیا ہے کہ تھم تھم کے کسک ہوتی ہے

دل اندھا دھند ہی آتا ہے ہمیشہ لے داغ
چھان بین اس میں نہ کچھ چھان پھٹک ہوتی ہے

کیا تڑپنے ہی کو خالق نے طبیعت دی ہے
صبر دے گا وہی جس نے تری الفت دی ہے

بادشاہوں کو یہی لوگ ہیں دینے والے
یہ فقیروں ہی کو اللہ نے ہمّت دی ہے

جلا تھا دل جب کیا تھا نالہ جلیں گے لب جب دعا کرینگے

جو وہ کیا تھا تو کیا کیا تھا، جو یہ کرینگے تو کیا کرینگے

عداوت ان کو ہے آج جس سے اسی پہ کل مہربانیاں ہیں
جو دشمنی کر سکے نہ پوری وہ دوستی ہم سے کیا کرینگے

ہزار ہیں رنگ عاشقی کے جوان کو برتے وہ ان کو جانے
تمھیں کو ہم بے وفا کہیں گے، تمھیں سے ہم التجا کرینگے

خطا کروگے جو بوسہ مانگا، یہ کیا کہا پھر نہ ہم سے کہنا
خطا کریں گے، خطا کریں گے، خطا کریں گے، خطا کرینگے

کوئی سہے رنج و غم کہاں تک، اٹھائے رنج و ستم کہاں تک
وہ حضرتِ داغ ہی نہیں اب جو تجھ سے مہر و وفا کرینگے

دل کو بچا رہا ہوں بتوں کے خیال سے
اللہ تو علیم ہے بندوں کے حال سے

ہوتا ہے خشک دامنِ تر کیا طلسم ہے
طوفانِ گریہ و عرقِ انفعال سے

اے داغ ہے دکن سے بہت دُور لکھنؤ

ملتے امیر احمد و سیّد جلال سے

فرقت کی شب یہ کام ایا دل کے داغ سے
ڈھونڈا اجل کو تا بہ سحر اِس چراغ سے

فریادِ عندلیب کو سمجھے مری فغاں
گھبرائے مُنھ بنائے وہ آتے ہیں باغ سے

دِل بُجھ گیا ہے اس کی تجلّی کے سامنے
خورشید و ماہ اختر و شمع و چراغ سے

ہر شان میں نشان ہے ہر رنگ میں ظہور
ہرجائی اور پھر نہیں مِلتا سُراغ سے

دُنیا میں ایسے لوگ مصیبت زدہ کہاں
روئے ہم آج خوب گلے دِل کے داغ سے

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے ۔ ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے
تو نے قاصد جو کہی دل کو لگی ۔ یہ اسی کافر کے مُنھ کی بات ہے

داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج　　آدمی خوش وضع خوش اوقات ہے

دیکھ سکتے نہیں اس بزم میں اغیار مجھے
لے چلی ہائے کہاں حسرتِ دیدار مجھے
اپنے قاتل پہ نہیں خون کا دعویٰ مجھ کو
بلکہ خود جرم محبت پہ ہے اقرار مجھے
رحم آتا ہے دلِ زار تری حالت پر
کاش ہو جائے تری جان کا آزار مجھے

ساقی کا دل نہ توڑیں گے ترکِ شراب سے
حاصل کسی طرح ہو غرض ہے ثواب سے
مشکل سے اختیار کیا جبر عشق میں
دل کو دیا ہے صبر بڑے اضطراب سے

قطع اُمید سے اُمید مگر بڑھتی ہے

کہ ادھر گھٹتی ہے اُلفت تو اُدھر بڑھتی ہے

گھٹا یوں خواہشِ دل شام و سحر بڑھتی ہے
جس طرح ہو کے قلم شاخ شجر بڑھتی ہے

تول میزانِ نظر میں نظر دشمن و دوست
کس طرف کم ہے تری چاہ کدھر بڑھتی ہے

دیکھیے خوب گھٹا کر جو شبِ ہجراں کو!
روزِ محشر سے یہ دو چار پہر بڑھتی ہے

کوئے سفاک میں بے خوف چلا ہے دیکھو
گھر سے یہ داغ بھی کم بخت مگر بڑھتی ہے

تلوار تری رواں بہت ہے — تھوڑا بھی تو امتحاں بہت ہے
کچھ آہ کے حوصلے نکلتے — نیچا مگر آسماں بہت ہے
دل تنگ سہی پر اے تمنا — مر رہنے کو یہ مکاں بہت ہے
الفت میں نہیں ہے صبر نایاب — یہ جنس مگر گراں بہت ہے
باطن کی خبر خدا کو ہے داغ — ظاہر میں وہ مہرباں بہت ہے

دشمنوں سے دوستی غیروں سے یاری چاہیے
خاک کے پتلے بنے تو خاکساری چاہیے

کھل گیا جب راز تو اخفا کیے سے فائدہ
اُٹھ گیا پردہ تو پھر کیا پردہ داری چاہیے

چار حرفِ آرزو ہی سن لو ساری رات میں
اور قصّے کے لیے تو عُمر ساری چاہیے

جن کو حُسن و عشق کے دعوے ہیں ان کے واسطے
دل ہمارا چاہیے صورت تمھاری چاہیے

آدمی کو ہے یہی گوشۂ راحت کافی
گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے

کیا کہوں کس سے کہوں دل کی حقیقت اے داغ
سب یہی پوچھتے ہیں کہیے تو حضرت کیا ہے

یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے

نالہ رُکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے

کون تسنیم کے چھینٹوں پہ عبث شاد رہے

کچھ کمی یاں بھی نہیں میکدہ آباد رہے

کے گھڑی چین سے تو اے ستم ایجاد رہے

تیرے سینے میں جو میرا دلِ ناشاد رہے

وعدۂ حشر پہ کیا صبر ہو تم کہہ دو گے

ایسے ہنگامۂ جاں کاہ میں کیا یاد رہے

یہ رہا عرش تو اے حوصلۂ دل دیکھا

مَیں نہ کہتا تھا کہ سینے ہی میں فریاد رہے

اس دلِ تنگ میں کس کس کو جگہ دوں یارب

غم رہے دم رہے فریاد رہے یاد رہے

ان سے شہرت نہ تھی مجھ سے طبیعت نہ رُکی

جانے والے نہ کبھی لے دل ناشاد رہے

دیکھ لی سیر حرم حضرتِ زاہد رخصت

آپ کا کعبہ مرا بُت کدہ آباد رہے

تم نے اے داغ محبّت سے کیا ہے انکار
یہ سخن یاد رہے یاد رہے یاد رہے

غم اُٹھانے کے واسطے دم ہے زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے
کہتے ہو کچھ کہو، کہوں کیا خاک جانتا ہوں مزاج برہم ہے

تجھ سے دل خاک ملے دل سے بھی تو ملتا ہے
کوئی ملنے ہی سے اے عربدہ جو ملتا ہے
چرخ کم مایہ سے کچھ ہم کو ملے یا نہ ملے
یہ بڑی دولتِ دُنیا ہے کہ تو ملتا ہے
مل گیا دل سے یکایک ترے سوفار کا زنگ
ورنہ بیگانے سے برسوں میں لہو ملتا ہے
دیکھ چل کر مرے ساقی کی سخاوت زاہد
ایک ساغر کوئی مانگے تو سبو ملتا ہے

میرے رونے پر جو رویا آدمی فہمیدہ ہے
ناصح عاقل بُرا ناگرگ باراں دیدہ ہے

کیا کہوں کیونکر کہوں کس سے کہوں کیا کیا کہوں
آپ کی کیا بات ہے جو بات ہے سنجیدہ ہے

اس ستمگر نے مرے پیغام بر سے یہ کہا
مر نہیں جاتا اگر آزردہ ہے رنجیدہ ہے

جو ہو اس چشم مست سے بیخود — پھر اُسے ہوشیار کون کرے
آفت روزگار جب تم ہو — شکوۂ روزگار کون کرے
تم تو ہو جان اک زمانے کی — جان تم پر نثار کون کرے
اپنی تسبیح رہنے دے زاہد — دانہ دانہ شمار کون کرے
داغ کی شکل دیکھ کر بولے — ایسی صورت کو پیار کون کرے

بیٹھے اداس اُٹھے پریشاں خفا چلے
پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے

یوں چلیئے راہ شوق میں جیسے ہوا چلے
ہم بیٹھ بیٹھ کر جو چلے بھی تو کیا چلے
موسی کی طرح راہ میں پوچھے نہ راز دوست
خاموش خضر ساتھ ہمارے چلا چلے
رکھّا دل و دماغ کو تو روک تھام کر
اس عمر بے وفا پہ مرا زور کیا چلے
آئیں گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد پہ آفتیں
غافل اِدھر اُدھر بھی ذرا دیکھتا چلے
بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدہ کو یہ مردِ خدا چلے

اس التجا کے ساتھ کہا ہم نے حال دل
جیسے اخیر وقت میں کوئی دعا کرے
منظور کس کو ہے جو اٹھائے بلائے عشق
جب سر پہ آ پڑے تو کہو کوئی کیا کرے

کبھی کچھ درد رہتا ہے کبھی کچھ سوز رہتا ہے
ہمارے دل پہ صدمہ اک نہ اک ہر روز رہتا ہے
نگاہیں ان کی جادو سے قیامت ہوتی جاتی ہیں
الٰہی کونسا فتنہ سبق آموز رہتا ہے
تصور میں کسی کے داغ نیند آتی نہیں مجھ کو
عجب بیدار اپنا طالع فیروز رہتا ہے

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
نتیجہ نہ نکلا تھکے سب پیامی!
وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اُڑ گیا آندھیاں آتے آتے
کسی نے کچھ ان کو اُبھارا تو ہوتا
نہ آتے نہ آتے یہاں آتے آتے
نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

نکال اب تیر سینے سے کہ جانِ پُر الم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یا رب نہ دنیا میں بھرم نکلے

جُستجو زہر ہے گر حاصلِ مطلوب نہ ہو
آبِ حیواں نے کئے تلخ سکندر کے مزے
جن کو ہو جان عزیز ان کو نہیں لذتِ عشق

خضر کیا جانے تری برّشِ خنجر کے مزے

داغؔ اس چاٹ پہ ہے تشنہ لب و تشنہ دہن
کہ ملیں ساقیٔ کوثر مے کوثر کے مزے

کہاں اب مرے حال پر رونے والے
کہ خود مٹ گئے داغِ دل دھونے والے

شریکِ غم و عیش ہیں دیدہ و دل
یہی ہنسنے والے یہی رونے والے

محبّت کی سرکار میں ہم نے دیکھا
سزا پاتے ہیں جانؔ و دل کھونے والے

خدا جانے کیا پیش ہو روزِ محشر
کسی سے وہ قائل نہیں ہونے والے

وہ کیا جانے بے تاب کی بے قراری
شبِ وصل بھی شام سے سونے والے

اپنے دل کا مکان اور ہی ہے اس میں اک میہمان اور ہی ہے
ملک الموت اس کو کیا لے گا دل میں عاشق کے جان اور ہی ہے
یاد سے تیری، ذکر سے تیرے اور ہے دل زبان اور ہی ہے
تو مٹائے گی اے قیامت کیا مرمٹوں کا نشان اور ہی ہے
عشق کے ہیں جدا نشیب و فراز یہ زمیں آسمان اور ہی ہے
گرچہ ہے وہ کریم بندہ نواز بے نیازی کی شان اور ہی ہے
اے فلک تیری مہربانی کیا!
داغؔ کا مہربان اور ہی ہے

گھبرا ہے رہزنوں نے کہاں مجھ غریب کو
اک بھیڑ لگ گئی مری منزل کے سامنے
جس کو خدا بچائے نہیں ڈوبنے کا خوف
موجیں ہزار اٹھتی ہیں ساحل کے سامنے
دینے کا ہاتھ کم نہیں لینے کے ہاتھ سے
بڑھتا ہے دستِ جود ہی سائل کے سامنے
تم داد چاہتے ہو اگر اس غزل کی داغؔ

پڑھ کر سناؤ آصفِ عادل کے سامنے

گزری ہے آزمائشِ مہر و وفا میں عمر
فرصت مجھے ملی نہ کبھی امتحان سے

شوریدہ سر وہ ہوں کہ اسے سر سے توڑ دوں
گر سنگِ حادثہ بھی گرے آسمان سے

مہر و وفا کا نام ہے اب بات بات پر
یہ سن لیا ہے آپ نے کس کی زبان سے

اے داغؔ اس کی خیر مناتا ہے آدمی
کوئی عزیز بڑھ کے نہیں اپنی جان سے

طور پر موسیٰ نے باتیں کر ہی لیں　　طالبِ دیدار جو چاہے کرے
آدمی کا ہے خدا پر زور کیا!　　ہے بڑی سرکار جو چاہے کرے
جو نہ چاہے کیوں کرے وہ التجا
التجائے یار جو چاہے کرے

مجھے اے اہل کعبہ یاد کیا مے خانہ آتا ہے

اِدھر دیوانہ جاتا ہے اُدھر مستانہ آتا ہے

دمِ تقریر نالے حلق میں چھریاں چبھوتے ہیں

زباں تک ٹکڑے ہو ہو کر مرا افسانہ آتا ہے

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں

اِدھر جاتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ آتا ہے

وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی رونا ہے الفت کا

تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

گر ایک بھی ہزار میں وہ مان جائیں گے

ہم اے پیامبر ترے قربان جائیں گے

کیجے گا ہم کو قتل تو قربان جائیں گے

پر سر کے ساتھ آپ کے احسان جائیں گے

مجنوں کا حال سن کے پریشان ہو گئے

میری اگر سنو گے تو اوسان جائیں گے

میں لاکھ پہلوؤں سے کروں عرض مدعا
پہچاننے کی بات وہ پہچان جائیں گے

کچھ کم نہ تھی خرام سے گردش نگاہ کی
بیٹھے رہے وہ تو بھی تو فتنے اٹھا گئے
اکثر پیامبر کو بنایا ہے قصّہ خواں
برسوں ترا جواب ہم اس سے سنا کئے

آتش شوق کو کب دل سے جُدا رکھا ہے
اس لگی کو تو کلیجے سے لگا رکھا ہے
دیکھ لینے کو ترے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے
اس قدر تو ہے ترا پردہ نشیں پاس حجاب
کہ ترے درد کو بھی دل میں چھپا رکھا ہے
نا امیدانِ وفا کا یونہیں دل رکھتے ہیں

آپ نے خاک میں جس طرح ملا رکھا ہے

شکوۂ ہجر سے اے داغ اثر کی امید
آپ نے نام شکایت کا دعا رکھا ہے

نہ سمجھا عمر گذری اُس بتِ خود سر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے
خدا جانے کہاں سے راہِ الفت میں کہاں پہنچے
جو ہوتا ہوش کچھ ہم کو تو ہم رہبر کو سمجھاتے
شبِ فرقت تڑپنا داغ کا دیکھا نہیں جاتا
گزر جاتی ہے ساری رات سارے گھر کو سمجھاتے

تھک تھک کے نہ بیٹھینگے نہ مر مر کے اُٹھیں گے

اب ظلم نہ ہم سے دلِ مضطر کے اٹھیں گے۔
چھیڑا ہے اگر تذکرۂ عشق تو سن لو
یہ قصہ تو پورا ہی بیاں کر کے اُٹھیں گے

بیکار ہے تقلید رہِ شوق میں سچ ہے
معلوم نہ تھا پاؤں نہ رہبر کے اُٹھیں گے

افسانۂ غم ان کو سُناؤں نہ سُناؤں
ڈرتا ہوں کہ وہ خواب ہیں ڈر ڈر کے اُٹھیں گے

ہم لطف کے بندے ہیں خدا کی قسم اے داغؔ
ہم سے نہ کبھی نازِ ستمگر کے اُٹھیں گے

گالیوں میں ادا نکالی ہے
بات میں بات کیا نکالی ہے

دے کے دل فکرِ پیش و پس کیسی
ابتدا، انتہا نکالی ہے

شبِ غم کا گزارنا کیا تھا
اپنے گھر سے بلا نکالی ہے

تم سے کیا شکوہ ہے گلا اُس کا
جس نے رسمِ وفا نکالی ہے

داغؔ معجز بیاں ہے کیا کہنا
طرز سب سے جُدا نکالی ہے

کیا تھا جرمِ وفا لذّتِ سزا کے لیے

ستم کے لطف اٹھائے مزے جفا کے لیے

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چُپ رہو خُدا کے لیے

غرض جہان سے کیا اے فلک مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لیے

ترے کہے سے ہم اے داغؔ چھوڑ دینگے عشق
خدا کے واسطے دیتا ہے کیوں خدا کے لیے

کام دورِ چرخ میں بگڑے ہوئے اکثر بنے
تجھ سے بن کر جب بگڑ جائے تو پھر کیونکر بنے

آرزو ہے حشر کے دن کان رکھکر وہ سُنیں
نامۂ اعمال میرا شوق کا دفتر بنے

خانہ ویرانی مری منظور ہے تو اے فلک

روز بگڑے روز اس کے دل میں میرا گھر بنے

جس سے جاں بر ہوں وہ تدبیر جفا کون سی ہے
موت کی کوئی بتائے کہ دوا کون سی ہے

خاک ہو کر کسی کوچے میں ہمیں جانا تھا!
آج کیا جانے کدھر کی یہ ہوا کون سی ہے

اُف نہ کی ہم نے تہِ تیغ جفا اے ظالم
اس سے بڑھ کر رہ تسلیمِ رضا کون سی ہے

ناز کرتے ہیں وہ ہر ناز پہ یہ کہہ کہہ کر
اس کو کہتے ہیں ادا اور ادا کون سی ہے

کیا کہوں گا جو کہا اُس نے کہ اچھا کہیئے
بات اے داغ محبت کے سوا کون سی ہے

سنبھال کر کوئی لیجائے اس کے پاس مجھے
بٹھائے دیتی ہے اک اک قدم پہ یاس مجھے

دیا ہے زہر مرے چارہ گر نے تنگ آ کر
دوا تو خوب ملی ہے جو آئے راس مجھے

ہمیں ٹھہرے تری اک اک برائی دیکھنے والے
رکھائی بے وفائی کج ادائی دیکھنے والے
سنیں کیوں لن ترانی طور پر کیوں جائیں کیا حاصل
کہ مستغنی ہیں تیری خود نمائی دیکھنے والے
یہ مظہر ہے اسی کا داغ جو کچھ تو نے دیکھا ہے
خُدا پر رکھ نظر شانِ خدائی دیکھنے والے

راز الفت کا نہ ہر اک ہمنشیں سے پوچھئے
یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں یہ ہمیں سے پوچھیے
میری خاموشی کا باعث پوچھیے مجھ سے نہ کچھ
یہ حقیقت اپنی چشم سرمگیں سے پوچھیے
داد کوئی دے سکے کیا اس خرامِ ناز کی

کیا زمیں کے دم پہ بنتی ہے زمیں سے پوچھیے
نیک و بد ہم نے زمانے کا بتایا بھی تو کیا
آپ کا جن پر یقیں ہے یہ انھیں سے پوچھیے
جانتا ہے دل ہی داغ عشق کا اے داغؔ لطف
یہ فروغِ روسیاہی اُس نگیں سے پوچھیے

مطلب کی تم سنو تو ذرا کوئی کچھ کہے
جب بے سُنے خفا ہو تو کیا کوئی کچھ کہے
کمبخت نا مراد تو مدّت سے ہے خطا
جی چاہتا ہے اس سے سوا کوئی کچھ کہے
ہم آپ چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں
کانوں کو پڑ گیا ہے مزا کوئی کچھ کہے
ناصح کہے سُنے پہ ہمارا نہیں عمل
جو جی میں آ گیا وہ کیا کوئی کچھ کہے
اے داغؔ اس کی بزم میں ہم گل کھلائیں گے

اس کا ہے انتظار ذرا کوئی کچھ کہے

خوب اب دیکھ لیئے طور تمہارے ہم نے
دن مصیبت کے گزارے تو گزارے ہم نے
کچھ تو پایا ہے محبّت کی مصیبت میں مزہ
عیش و آرام کیئے ترک جو سارے ہم نے
چوٹ کیا کیا نہ لگی دل پہ ہمارے لیکن
درد پر درد محبت کے سہارے ہم نے
مطلب اے داغ نہیں دیر و حرم سے ہم کو
بستر اپنا تو کیا سب سے کنارے ہم نے

وصل کے عیش میں سب ہجر کا غم بھول گئے
یاد رکھنا تھا ہمیں جس کو وہ ہم بھول گئے
کچھ عجب طور کٹی بے خودیٔ شوق میں راہ
دو قدم ٹھیک چلے چار قدم بھول گئے

بُرشِ تیغِ فنا میں بھی عجب لذّت ہے
زندگانی کے مزے اہلِ عدم بھُول گئے
عشق کی راہ میں جب کافر و دیندار آئے
سب کے سب داغ رہِ دیر و حرم بھُول گئے

فسردہ دل کہیں خلوت نہ انجمن میں رہے
بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے
مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ!
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

چھوڑا ہے ساتھیوں نے پسِ کارواں مجھے
لے جائے دیکھیے مری وحشت کہاں مجھے
کیا دردِ دل کہوں کہ سراپا ہوں دردمند
آتی نہیں ہے بات سوائے فغاں مجھے
چکر میں مثلِ سنگِ فلاخن ہوں دیکھیے

پھبنکے مرے نصیب کی گردش کہاں مجھے
دل خط میں رکھدیا بھی تو کیا فائدہ ہُوا
قاصد کا ہے سوال کہ دے تو زباں مجھے
اے داغ اس کے ہاتھ سے گر ہوں شہید میں
وہ موت بھی ہو زندگیٔ جاوداں مجھے

نظر کر دیدۂ مشتاق پر یا دیکھ آئینہ
تجھے بھی کچھ خبر ہے تجھ میں کیا عالم نکلتا ہے
تلون اس قدر اے داغ پھر یہ صبر کے دعوے
گھڑی میں توبہ کرتے ہو گھڑی میں دم نکلتا ہے

جب اس کے مقابل مرے داغِ جگر آئے
خورشید قیامت کو بھی تارے نظر آئے
حسن آئینۂ عشق ہو عشق آئینۂ حسن
میں تجھ کو نظر آؤں مجھے تو نظر آئے

وہ کہتے ہیں فرصت نہیں ہم کو شب وعدہ
تم صبر کو اپنے ہی بلا لو اگر آئے

رہ رہ کے وہ پچھتائیں کہ کیوں اس کو ستایا
تھم تھم کے مری آہ میں یارب اثر آئے

تجھ سے تو ستمگر ترے ارمان ہی اچھے
تو جا کے نہ آیا کبھی یہ عمر بھر آئے

اس بت کی جو یاد آئی ہمیں خلد بریں میں
اُف کر کے جگر تھام لیا اشک بھر آئے

اے داغ گلہ غیر سے کیا بزم میں تم کو
جب دوست کہے آپ کے دشمن کدھر آئے

بھلا ہو پیر مغاں کا ادھر نگاہ ملے
فقیر ہیں کوئی چلّو خدا کی راہ ملے

ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں
نگاہ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے

ہر ایک بے نمود کی اس سے نمود ہے
موجود ہے وہی جو عدیم الوجود ہے

اس ہاتھ نے لٹائے ہیں کس کس طرح گہر
مژگانِ چشم تر بھی عجب دستِ جود ہے

پوشیدہ اس کا حسن ہوا کب نقاب سے
پردے میں بھی ہزار طرح کی نمود ہے

کیا دل دیا اگر نہ دیا جوہرِ قبول
ایسے بھی ہیں کہ جن کو زیاں ہے نہ سُود ہے

وہ سر ہے سرفراز جو لے داغؔ تا بہ زیست
درگاہِ بے نیاز میں صرفِ سجود ہے

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

کس طرح چین مجھ کو دلِ بیقرار دے
تم اختیار دو نہ خدا اختیار دے

دل اس نگاہِ ناز سے ہم نے لڑا دیا
آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

اترے جو تن سے سر نو زہے سرفرازیاں
ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے دل سے اُتار دے

کیوں ناز اُٹھاؤں داغ کسی پُر جفا کے میں
مجھ کو اگر مزہ ستم روزگار دے

لذتِ عشق الٰہی مٹ جائے
درد ارمان ہوا جاتا ہے

چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی
گھر بیابان ہوا جاتا ہے

موت سے پہلے مجھے قتل کرو
اس کا احسان ہوا جاتا ہے

مدد اے ہمتِ دشوار پسند
کام آسان ہوا جاتا ہے

بے وفائی سے بھی رفتہ رفتہ
وہ مری جان ہوا جاتا ہے

خدمتِ پیرِ مغاں کر زاہد
تو اب انسان ہوا جاتا ہے

داغ خاموش نہ لگ جائے نظر
شعر دیوان ہوا جاتا ہے

بیٹھے ناوک کی طرح اُٹھے قیامت کی طرح
یہ ادب جس نے سکھایا وہ ادیب اچھا ہے

مرض عشق ہی آفت ہے وگرنہ ہم نے
کی دوا اس کی سُنا جس کو طبیب اچھا ہے

اے دہن تیرے لیئے حرفِ دعا ہے بہتر!
اے زباں تیرے لیئے ذکرِ حبیب اچھا ہے

مرے کوچہ میں وہ کن شوخیوں سے جابجا ٹھیرے
بڑھے بڑھ کر تھمے دم بھر چلے چل کر ذرا ٹھہرے

تغافل کی نہ ٹھہرے آج قاتل فیصلہ ٹھہرے
نہیں تلوار تو فقرہ کوئی چلتا ہوا ٹھہرے

تسلّی دل کو جو دیتے ہیں کیسے لوگ ہیں یارب
جگر ہی جب نہ ٹھہرے تو جگر پر ہاتھ کیا ٹھہرے

وہی انسان پورا ہے اسی کے ہم تو قائل ہیں
بھلوں میں جو بھلا ٹھہرے بروں میں جو برا ٹھہرے

رہا روزِ جزا کے بعد کا غم مجھ کو محشر میں
کہ دن کو تو یہ ٹھہری رات کو کیا جانے کیا ٹھہرے

کچھ خوب نہ یہ غیرتِ شمشاد کریں گے
بندوں کو غلامی سے جو آزاد کریں گے
بیٹھیں گے نہ خاموش ہم اے چرخ ستمگار!
تھک جائیں گے نالوں سے تو فریاد کریں گے
نشتر رگِ جاں کا ہے تو کانٹا ہے جگر کا
کیا رکھ کے تجھے اے دلِ ناشاد کریں گے
نالوں سے مرے دیکھئے اب آئی قیامت
چھیڑا تھا کسے آپ بھی کیا یاد کریں گے
مانا کہ عداوت ہی سہی غیر سے لیکن
اتنے بھی نہیں آپ کہ بیداد کریں گے
گزری ہے شبِ وعدہ اس امید پہ اے داغ
یا آئیں گے خود یا وہ مجھے یاد کریں گے

کیا ہے ضبط جب دردِ محبت گرے ہیں ٹپ ٹپ آنسو چشم تر سے
خدا کی دین ہے غم ہو کہ شادی یہ بندے لائے ہیں کیا اپنے گھر سے

ٹھہرے تھے کبھی عالم اسباب میں اپنے
وہ جوش کہاں اب دل بیتاب میں اپنے
نکلیں گے نہ ہم ڈوب کے لے بحرِ محبت
رہنے دے ہمیں حلقۂ گرداب میں اپنے

کلیجا کرے خون وہ دل یہی ہے تمھارے برابر کا قاتل یہی ہے
برائی نہ چاہے بروں سے نباہے اگر ہے تو دنیا میں مشکل یہی ہے
ترا جلوہ ٹھہرا ہے مقصود عالم کہ ساری خدائی کا حاصل یہی ہے
نہ آئیگا کوئی نہ بیٹھے گا کوئی اگر آپ کا رنگ محفل یہی ہے
خُدا نے بنایا بتوں نے بگاڑا نہ کعبہ نہ بت خانہ وہ دل یہی ہے
رہِ عشق میں راہزن کیا نہ ہوگا مجھے خوف منزل بمنزل یہی ہے
ہماری شبِ غم گزر جائے یارب کہ آسان کرنے کی مشکل یہی ہے

وفا وہ کریں داغؔ یہ کس نے مانا
مگر آپ کا زعمِ باطل یہی ہے

حسرتیں لے گئے اس بزم سے چلنے والے
ہاتھ ملتے ہی اٹھے عطر کے ملنے والے

ان جفاؤں پہ وفا کوئی نہ کرتا لیکن
دل بدلتا نہیں اُو آنکھ بدلنے والے

شرم آلودہ نگاہیں تو کریں گی بسمل
اب کوئی آن میں یہ تیر ہیں چلنے والے

دیکھیے کیا ہو ابھی مرے نامے کا جواب
پاس ان کے ہیں بہت زہر اُگلنے والے

امتحاں تیغ جفا کا جو انہیں ہو منظور
بچ بچا کر ابھی ٹل جاتے ہیں ٹلنے والے

گرمیٔ صحبت اغیار کے شکوے پہ کہا
آپ اے داغؔ ہمیشہ کے ہیں جلنے والے

لاگ اے چارہ گر نہ ہو جائے — تیرے سر دردِ سر نہ ہو جائے
ہو صفائی اگر تو کیا ممکن — دل کی دل کو خبر نہ ہو جائے
اپنی آنکھیں نکال ڈالوں گا — تجھ کو میری نظر نہ ہو جائے
عرض مطلب پہ لگ گئی ہچکی — قصہ ہی مختصر نہ ہو جائے
آتی جاتی حیا میں شوخی ہے — پردگی پردہ در نہ ہو جائے
دل ہے خواہانِ لذت بےداد — کیوں وہ بیداد گر نہ ہو جائے
یہ تو آثار ہیں قیامت کے — عشوہ گر فتنہ گر نہ ہو جائے
ذکر سے غیر ہی کے دل بہلاؤں — منفعل تو مگر نہ ہو جائے
دیکھنے والوں کو نہ دیکھا کر — اس نظر کو نظر نہ ہو جائے
ہیں قیامت کے خواستگار ہمیں — وقت سے پیشتر نہ ہو جائے
اک زمانہ ہے آج میری طرف — کل اِدھر سے اُدھر نہ ہو جائے
مرگ دشمن کی کیا دعا مانگوں — کہیں اُلٹا اثر نہ ہو جائے

کیوں جگہ دیں وہ اپنے پہلو میں
داغ داغِ جگر نہ ہو جائے

کسی کے دل سے کسی کی نظر سے گرتا ہوں
سنبھالنا ہے تو اے آسماں سنبھال مجھے
گلہ بتوں سے محبّت کی اور کیا حاصل
کچھ انفعال تمھیں ہو کچھ انفعال مجھے

انسان کو ہے خانۂ ہستی میں لطف کیا
مہمان آئیے تو پشیمان جائیے
وہ آزمودہ کار تو ہے گر ولی نہیں
جو کچھ بتائے داغؔ اُسے مان جائیے

دل کو کیا ہو گیا خدا جانے — کیوں ہے ایسا اُداس کیا جانے
نہیں کوتاہ دامنِ اُمید — آگے اب دستِ نارسا جانے
اُس سے اُٹھیگی کیا مصیبتِ عشق — ابتدا کو جو انتہا جانے

جمع ہیں پاک اک زمانے کے — ہائے جلسے شراب خانے کے

برق پھونکے اُڑائے بادِ خزاں
چار تنکے ہیں آشیانے کے

وہ دل لیکے چپکے سے چلتے ہوئے
یہاں رہ گئے ہاتھ ملتے ہوئے
نہ اترائیے دیر لگتی ہے کیا
زمانے کو کروٹ بدلتے ہوئے
کریں وعدے پر وعدہ وہ ہم کو کیا
یہ چکمے یہ فقرے ہیں چلتے ہوئے
محبت میں ناکامیوں سے اخیر
بہت کام دیکھے نکلتے ہوئے
عدم میں بھی ہم نیند بھر کر نہ سوئے
گئے حشر میں آنکھ ملتے ہوئے
ذرا داغ کے دل پہ رکھو تو ہاتھ
بہت تم نے دیکھے ہیں جلتے ہوئے

کیا شبِ ہجر مرے سر پہ بلا لاتی ہے
اپنے ہمراہ اجل کو بھی لگا لاتی ہے
نہیں معلوم کہ ہے منزلِ مقصود کہاں
عرش تک کی تو خبر آہ رسا لاتی ہے
ہم گرفتار ہیں خود شوقِ گرفتاری میں

ہم کو کیا پیچ ہیں وہ زلف دوتا لاتی ہے

زیست سے تنگ ہیں نہ چھیڑ ہمیں دیکھ غصہ حرام ہوتا ہے
لیجیے موسیٰ سے لن ترانی کی اب تو ہم سے کلام ہوتا ہے
داغ کا نام سُن کے وہ بولے
آدمی کا یہ نام ہوتا ہے

یہ بات کیا دمِ رفتار ہوتی آتی ہے
کہ اپنے سایے سے تکرار ہوتی آتی ہے
تمھیں نے داغ نرالے نہیں اُٹھائے ستم
یونہیں سلف سے مرے یار ہوتی آتی ہے

حسرتیں دل کی مٹی جاتی ہیں قافلہ ہے کہ لٹا جاتا ہے
داغ کو دیکھ کے بولے یہ شخص
آپ ہی آپ جلا جاتا ہے

کیا برہنہ پا دشت میں لاکھوں بھی نہ ہونگے
کانٹوں کو مگر چبھ رہے چھالوں سے ہمارے
اتنا تو رہے پاس کہ محشر میں کہو تم
بولے نہ کوئی چاہنے والوں سے ہمارے
ہر وقت نئی دُھن ہے ہمیں تازہ تصوّر
جاؤگے کہاں بچ کے خیالوں سے ہمارے

وہ قیامت توڑنے میں پوچھ کر کیا حال ہے
پرسشِ دل بھی آہی پرسشِ اعمال ہے
ایک میں سو مدعی اک تم ہزاروں جاں نثار
عشق کا یہ حال دیکھا حسن کا وہ حال ہے

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
ہم نکمّے ہوئے زمانے کے کام ایسا سکھا دیا تو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے دلِ بے مُدعا دیا تو نے

بے طلب جو ملا ملا مجھ کو بے غرض جو دیا دیا تو نے
عمر جاوید خضر کو بخشی آب حیواں پلا دیا تو نے
نارِ نمرود کو کیا گلزار دوست کو یوں بچا دیا تو نے
کہیں مشتاق سے حجاب ہوا کہیں پردہ اٹھا دیا تو نے
جس قدر ہیں نے تجھ سے خواہش کی مجھ کو اس سے سوا دیا تو نے
مٹ گئے دل سے نقش باطل سب نقشہ اپنا جما دیا تو نے
مجھ گنہگار کو جو بخش دیا تو جہنم کو کیا دیا تو نے
داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

دیکھتا جا اِدھر او قہر سے ڈرنے والے
نیچی نظریں کیے محشر میں گزرنے والے
قلزم عشق میں اے خضر ہمیں خوف نہیں
بیٹھ کر تہ میں ابھرتے ہیں ابھرنے والے
اس گذرگاہ سے پہنچیں تو کہیں منزل تک
جیسی گزرے گی گزاریں گے گزرنے والے

ہو کے لبریز نہ چھلکے گا مرا ساغرِ دل
میکدے تشنہ ہوں اگر لاکھ ہوں بھرنے والے

قتل ہوں گے ترے ہاتھوں سے خوشی اس کی ہے
آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

کشتیِ نوح سے بھی کود پڑوں طوفاں میں
دیں سہارا جو مجھے پار اترنے والے

حضرتِ داغؔ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

پوچھتا جا مری مرقد سے گذرنے والے
کیا گزرتی ہے تری جان پہ مرنے والے

ایک تو حسن بلا، اس پہ بناوٹ آفت
گھر بگاڑیں گے ہزاروں کے سنورنے والے

غنچۂ گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل
جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

عمر بھر عالمِ ہستی میں جو معدوم رہے
حضرتِ خضر سے دیکھے نہیں مرنے والے

ہے وہی قہر وہی جبر وہی کبر و غرور
بُت خدا ہیں مگر انصاف نہ کرنے والے

منزلِ عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی
رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

خوش نوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد
ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے

داغؔ کہتے ہیں جنھیں دیکھئے وہ بیٹھے ہیں
آپ کی جان سے دُور آپ پہ مرنے والے

سیکڑوں ملتے ہیں الزام کے دینے والے
ایک دو بھی نہیں آرام کے دینے والے

اس خرابات سے وہ اہلِ خرابات گئے
جام بھر کر مئے گلفام کے دینے والے

ری تو وعدہ دیدار کریں گے پورا
مجھ کو دھوکے سحر و شام کے دینے والے
ناتوانی پہ نہ جا تو کہ ہمیں باقی ہیں
سو دعائیں تجھے دل تھام کے دینے والے

واہ کیا شان بے نیازی ہے
دے دیا دل پہ اختیار کسے
جب تلوّن مزاج وہ ٹھہرے
بے وفائی کا اعتبار کسے
نا کہیں دل کی ہے نشیلی آنکھ
اور کہتے ہیں ہوشیار کسے
داغ کو دو ہی دن میں بھول گئے
آپ کہتے تھے جاں نثار کسے

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے
وقت خرام ناز دکھا دو جدا جدا
یہ چال حشر کی یہ روش آسماں کی ہے

دامن سنبھال باندھ کمر آستیں چڑھا
خنجر نکال دل میں اگر امتحاں کی ہے

جورِ رقیب ظلمِ فلک کا نہیں خیال
تشویش ایک خاطرِ نا مہرباں کی ہے

سُن کر مرا فسانۂ غم اس نے یہ کہا
ہو جائے جھوٹ سچ یہی خوبی بیاں کی ہے

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دُھوم ہماری زباں کی ہے

نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز

کی

تصانیف

---

(۱) ارمغانِ عزیز جلد اول - کلام نواب عزیز یار جنگ — ۱۳۴۶ھ

(۲) ارمغانِ عزیز جلد دوم - کلام نواب عزیز یار جنگ — ۱۳۴۹ھ

(۳) متاعِ سخن - انتخاب کلام نواب عزیز یار جنگ بہادر — ۱۳۵۰ھ
مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور

(۴) نقدِ سخن - یعنی باقیات فانی پر تنقید — ۱۳۵۷ھ

(۵) مومن و غالب کے کلام کا انتخاب — ۱۳۶۰ھ

(۶) امیر و داغ کے کلام کا انتخاب — ۱۳۶۲ھ

(۷) نظم پروین - یعنی نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے
مختلف کلام کا انتخاب — ۱۳۶۲ھ

(۸) گلکدۂ داغ - یعنی حضرت نواب فصیح الملک داغ دہلوی
کے چار دواوین کا انتخاب — ۱۳۶۵ھ

(۹) نیرِ سخن - یعنی نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے حالیہ کلام کا مجموعہ — ۱۳۶۶ھ

ملنے کا پتہ

تمیز الدین خاں لالہ زار، جامعہ عثمانیہ (لالہ گوڑہ) حیدرآباد دکن

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا

[illegible] خانہ

۱۔ [illegible] کتب خانہ [illegible] کھلا رہے گا [illegible]

[illegible] چار شعبہ جات [illegible] ایک [illegible] پانچ [illegible] اور [illegible]

۲۔ [illegible] کتابیں [illegible] ایک ہفتہ [illegible] جماعتوں سے

[illegible] الترجمہ [illegible] کتابیں [illegible] دو کتابیں [illegible]

۳۔ طلباء میں [illegible] ال ال بی [illegible] مل سکیں گی

[illegible] کتابیں [illegible] ہفتہ [illegible] طلب [illegible]

طلبہ [illegible] کتابیں [illegible] لیا جائیگا

۴۔ مدت مقررہ [illegible] کتاب واپس [illegible] کی جائیگی [illegible]

۵۔ [illegible] کتاب کا [illegible] لازم ہے

[illegible] کتاب [illegible] خراب ہو جائیں تو [illegible] ذمہ داری

۶۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان [illegible]

[illegible] ہوگی

۷۔ [illegible] کتابیں [illegible]

۸۔ قلمی نسخے [illegible] والے کی کتابیں [illegible] فقط